مکمل ناول

دُرِثمین سلیم

اب میرے ہو کے رہو

اس نے خود کو ایک تنگ و تاریک غار سے کھلے آسمان تلے محسوس کیا۔

کیا اسے اس جہنم سے نکال لیا گیا تھا؟

کیا زندگی اس پر دوبارہ بخش دی گئی تھی؟

ایک عجیب احساس تھا جو اسے اپنی گرفت میں لے کر اس کے حواس بے دار کر رہا تھا بہت سی گزری باتیں! بہت سے گزرے پل اس کے ذہن کے پردوں پہ جھلملا کر معدوم ہو رہے تھے اور ان گزرے لمحوں میں چند ابھرتے، مٹتے چہروں میں ایک چہرہ ایسا بھی تھا جو اس کی بند آنکھوں کے پردوں پر اپنا عکس بنا رہا تھا

بے اختیار دھیرے سے اس کے لب ہلے تھے اور دل نے اس لڑکی کو پکارا جو زندگی بن کر اس کی زندگی میں شامل ہو گئی تھی۔

جیسے بہت سی چیزیں غیر متوقع طور پر آپ کی زندگی میں شامل ہو جاتی ہیں اور آپ ان پر اپنا اختیار رکھ کر بھی اپنا اختیار کھو دیتے ہیں ایسے لمحوں میں دل زبان پہ ہمیشہ اسی کا نام لاتا ہے۔ جس کے نام سے آپ کے دل کی رونقیں آباد ہوتی ہیں اور وہ ... وہ لڑکی تو اک مدت سے اس کے دل میں سمائی ہوئی تھی۔

دفعتاً" اسے اپنے بے جان سے ہاتھ پر پانی کے چند قطرے گرتے ہوئے محسوس ہوئے کئی گھنٹوں کے بعد زندہ ہونے کا پہلا احساس کسی کے آنسوؤں نے دلایا تھا ... وہ آنسو اب تواتر سے اس کے ہاتھ پر گر رہے تھے اور دوسرا احساس! وہ لمس تھا جو دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں گردش کر رہا تھا وہ لمس اب اسے اپنی بے جان سی ہتھیلی پہ محسوس ہوا۔

کسی نے اس کے ہاتھ کو بہت نرمی سے تھام کر دھیرے سے دبایا تھا اور اپنے لبوں سے لگا لیا تھا وہ آنسو، وہ لمس اسے موت کی بھیانک وادیوں سے ایک بار پھر زندگی کی رونقوں کی جانب کھینچ رہا تھا۔ وہ نیم بے ہوشی میں بھی اس لمس کو پہچان گیا تھا اس لڑکی کا ہاتھ اب بھی اس کے بالوں میں گردش کر رہا تھا۔

اس لڑکی کی خوشبو اسے اپنے بہت قریب محسوس ہوئی، اپنے ہاتھ پر اس کے ہونٹوں کی ایک حسین نشانی اسے تاریکیوں میں روشنی بن کر واپسی کا راستہ دکھا رہی تھی۔

وہ چند لمحے یونہی اس کے لمس کو اس کے آنسوؤں کو محسوس کرنا چاہتا تھا اور وہ محسوس کر بھی رہا تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اسے اس لڑکی کی آنکھیں بہت عزیز ہیں۔

پتا نہیں یہ خیال تھا یا احساس "اس نے فوراً" اپنی بوجھل پلکوں کو ایک لمحے کے لیے اٹھایا اور اس کی آنکھوں نے وہی کچھ دیکھا جو وہ تھوڑی دیر پہلے امید کر رہا تھا۔

"میں نے اللہ سے آپ کے لیے بہت ساری دعائیں کی تھیں ... بے شک وہ ہماری دعائیں سنتا ہے۔" رندھی ہوئی آواز میں اپنا جملہ مکمل کرنے کے بعد وہ ایک بار پھر رونے لگی تھی۔

اسے عورت کے مکر جیسے آنسوؤں سے سخت چڑ تھی لیکن اس لڑکی کے یہی آنسو ... اپنی تکلیف پر بہتے دیکھ کر آج ایک عجیب سرشاری اور طمانیت اسے اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی جیسے تپتے ہوئے صحرا

میں اچانک ہی بارش ہونے لگے۔
"اگر یہ سب ایک خواب ہے تو میں موت کی آغوش سے کبھی جاگنے کی خواہش نہیں کروں گا۔" اس نے پھر سے اپنی بوجھل آنکھیں بند کرتے ہوئے جیسے خود سے سرگوشی کی تھی۔
"اللہ نہ کرے' آپ ایسی باتیں مت کریں' سب آپ کی وجہ سے کتنے پریشان تھے آپ اندازہ نہیں کر سکتے۔" وہ لڑکی نرمی محبت سے اسے بہلانے لگی اور وہ ــــ وہ اس لڑکی کے بہلاوے پر جیسے نیند میں مسکرایا تھا
"سب پریشان تھے اور تم ــــ تم نے اپنا تو ذکر ہی نہیں کیا ــــ؟"
"مم ــــ میں انو کو بلاتی ہوں۔ وہ تہجد کے لیے ــــ وضو کرنے گئی ہیں۔" اس نے بوکھلا کر اٹھنے کی کوشش کی تھی۔
"مت جاؤ ابھی' مجھے یقین کر لینے دو کہ میں زندہ ہوں اور تم! تم میرے پاس ہو' میرے قریب ہو۔" اور نہ جانے وہ کیا کیا کہہ رہا تھا اور وہ لڑکی سوچ رہی تھی۔ یہ وہ شخص تھا جس کے قریب آنے پر اسے گھن آتی تھی کراہیت محسوس ہوتی تھی۔ لیکن آج کیوں دل مکمل طور پر اس کی طرف مائل ہو گیا تھا؟ کیوں دل نے پوری شدتوں کے ساتھ اللہ سے رو رو کر اس کی زندگی مانگی تھی؟ کیوں آج اسے لگا تھا کہ وہ اس کی رگ رگ میں بسا ہوا ہے؟ کیوں آج وہ خود سے یہ پوچھ رہی تھی کہ "محبت" کرنا عورت کی فطرت میں شامل ہوتا ہے یا "محبت" کرنا اس کی مجبوری بن جاتا ہے ــــ وہ اس مجبوری اور فطرت کے کھیل میں کیوں ہمیشہ ہار جاتی ہے؟ کیوں وہ اس محبت کے بغیر رہ نہیں پاتی ہے؟

☼ ☼ ☼

"عمائمہ بیٹا نو بج رہے ہیں آج اٹھنے کا ارادہ نہیں ہے کیا؟" نسرین بیگم نے نرمی سے اس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے پکارا۔
"جی امی بس اٹھ رہی ہوں۔" عمائمہ نے نیند میں ڈوبی پلکوں کو بمشکل اٹھا کر جماہی روکی۔
"فاطمہ بتا رہی تھی رات بہت دیر تک جاگتی رہی تھی تم؟" نسرین بیگم نے پیار سے اس کے چہرے پہ آئی لٹ کو ہٹایا۔
"جی امی رات تین' ساڑھے تین بجے تک جاگ کر تھیسس پر کام کرتی رہی ــــ آج تو صبح فجر کی نماز بھی نہیں پڑھ سکی۔" عمائمہ نے بیٹھتے ہوئے اپنے لمبے بالوں کو جوڑے کی شکل دیتے ہوئے سستی سے انہیں بتایا۔
"تھیسس پر کام کرنا اچھی بات ہے مگر بری بات یہ ہے کہ دنیاوی چیزوں کے لیے نماز چھوڑ دینا ــــ یہ دنیاوی چیزیں ہماری بخشش تھوڑی کروائیں گی ــــ؟"
"سوری امی ــــ فاطمہ تو صبح اٹھا بھی رہی تھی نماز کے لیے لیکن نیند ایسی تھی کہ آنکھ ہی نہیں کھل سکی۔" وہ شرمندہ سی بستر چھوڑتے ہوئے اپنی چپلوں کی تلاش میں نظریں دوڑانے لگی۔
"ٹھیک ہے مگر آئندہ نماز میں کوئی کوتاہی نہ ہو۔"
"جی امی ــــ" گھر میں شروع ہی سے سب پر نماز کی بہت سختی رہی تھی۔
"امی بابا ابھی اسٹور پر تو نہیں گئے نا؟"
"نہیں بیٹا ابھی تو گھر ہی ہیں اخبار پڑھ رہے ہیں تمہارے بابا کو چائے کی دوبارہ طلب ہو رہی تھی ان کے لیے چائے بنانے جا رہی تھی پھر تمہارا خیال آیا۔ دس بجے تمہیں بھی یونیورسٹی جانا ہے۔"
"تھینکس امی آپ نے اٹھا دیا۔ ورنہ آدھے گھنٹے تک فارینہ میرے سر پہ کھڑی صور پھونک رہی ہوتی۔" نسرین بیگم باتھ روم میں جاتی عمائمہ کی بات پر مسکرائیں۔
"شکر کرو ایسی اچھی دوست ملی ہے کہ صبح یونیورسٹی تمہیں لے کر بھی جاتی ہے اور چھوڑ بھی جاتی ہے۔"
"ہاں تو امی اچھے دوست کا یہی تو فائدہ ہوتا ہے وہ آپ کے تمام مسئلے کو بنا کہے ہی سمجھ جاتا ہے اور پھر محترمہ ــــ اپنے امیر باپ کی لاڈلی بیٹی ہیں ــــ ڈرائیور کے ساتھ گاڑی میں آتی جاتی ہے اور راستے سے مجھے بھی پک کر لیتی ہے۔"

"اللہ نصیب اچھے کرے اس کے" میں ناشتا بناتی ہوں تمہارے لیے۔۔۔ اتنے میں تم تیار ہو جاؤ۔" وہ بھی اثبات میں سر ہلا کر مبہم سی مسکراہٹ کے ساتھ باتھ روم میں گھس گئی۔

سر پہ اسکارف لیے شانوں پر دوپٹہ پھیلا کر اپنا بیگ اور فائل اٹھا کر باہر آئی تو امی چائے کی ٹرے لیے بڑے کمرے میں داخل ہو رہی تھیں۔۔۔ وہ بھی ان کے پیچھے داخل ہوئی۔ بابا ہنوز اخبار میں گم تھے۔

"السلام علیکم بابا۔۔۔" وہ انہیں سلام کرتی ان کے پاس ہی آ بیٹھی۔

"وعلیکم السلام۔۔۔ اٹھ گیا میرا بیٹا۔۔۔" بابا کا یوں 'میرا بیٹا' کہہ کر مخاطب کرنا ہمیشہ کی طرح اسے سرشار کر گیا تھا۔

"جی بابا اور آپ مجھے بتائیں میڈیسن لی یا آج بھی ڈنڈی مارنے کا ارادہ ہے۔" اس کے مشکوک انداز پر پروفیسر صادق سعید مسکرائے۔

"بھئی میرے بس میں ہو تو میں ساری دوائیاں اٹھا کر دریائے راوی میں بہا آؤں۔۔۔ مگر تمہاری یہ ظالم قسم کی نگران ماں آٹھ بجتے ہی میرے سر پہ کھڑی ہو جاتی ہے۔" بابا کی شکایت پہ عمائمہ نے مسکراتے ہوئے امی کی طرف دیکھا جو بابا اور اس کے کپ میں چائے انڈیل رہی تھیں۔

"صادق صاحب اگر میں آپ پر اتنی بھی سختی نہ کروں تو آپ اپنے حصے کی یہ دوائیاں بھی اٹھا کر کسی غریب، مسکین ضرورت مند کو دے آئیں۔"

"او نیک بخت مت ہوا کرو پریشان، زندگی کی جتنی سانسیں اس پروردگار نے لکھ دی ہیں وہ تو پوری کرنی ہی ہیں۔"

اخبار ٹیبل پہ رکھ کر نسرین بیگم کے ہاتھ سے چائے کا کپ پکڑتے ہوئے وہ رسان سے بولے تو عمائمہ بے اختیار انہیں دیکھے گئی۔۔۔ کینسر جیسی اذیت ناک بیماری کے تکلیف دہ علاج کے باوجود انہوں نے زبان سے کبھی اف تک نہیں کی تھی مسکراتا ہوا چہرہ! اور اللہ کا شکر ادا کرنے والی زبان سے بھی اس نے شکوہ سنا ہی نہیں تھا۔

"امی ٹھیک کہتی ہیں بابا آپ کو پتا ہے نا۔۔۔ ہمیں آپ کی کتنی ضرورت ہے؟" عمائمہ ان کے کندھے سے سر ٹکاتے رندھے ہوئے لہجے میں بولی۔

"ارے یہ کیا۔۔۔ آج میرے شیر بیٹے پہ بزدلی کا دورہ کیسے پڑ گیا؟" انہوں نے ہنستے ہوئے عمائمہ کے سر پہ تھپکی دی۔

"کم آن بابا آئی ایم سیریس۔" اس کے لہجے میں ہنوز احتجاج تھا۔

"اوکے مائے لائن ہارٹ۔۔۔ آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔"

"کوئی حکم شکم نہیں ہے۔ بس آپ میڈیسن وقت پہ لیا کریں اور آئندہ آپ بھی میڈیسن کھانے میں ڈنڈی نہیں ماریں گے۔" عمائمہ کے تنبیہی انداز پہ بے اختیار مسکراتے ہوئے انہوں نے ہار مانی۔ "اچھا بھئی آئندہ ایسی غلطی کے بارے میں سو بار سوچا کروں گا۔"

"بابا آج ساڑھے گیارہ بجے آپ کا ڈاکٹر ہارون کے ساتھ اپائنٹمنٹ بھی تو ہے؟" عمائمہ نے رسٹ واچ پہ نگاہ دوڑائی۔

"ہاں ٹائم تو طے ہے میرا ڈاکٹر ہارون کے ساتھ پرسوں دریعہ آیا تھا میں نے یونہی سرسری سا ذکر کیا تو کہنے لگا وہ دو چار دن لاہور میں ہی ہے کہ وہ لے جائے گا مجھے۔" نسرین بیگم نے بھی شوہر کی تائید کی۔

"اللہ بھلا کرے اس بچے کا۔۔۔ آج اپنی سگی اولاد والدین کی ذمہ داریوں سے گھبراتی ہے لیکن اس بچے پہ آفرین ہے۔۔۔ بہت عزت کرتا ہے آپ کی، میرے تو لبوں سے ہمیشہ اس بچے کے لیے دعائے خیر نکلتی ہے۔"

ان کی بات پر پروفیسر صاحب بھی دھیرے سے گویا ہوئے۔

"بے شک اللہ اجر دینے والا ہے۔" اسی دوران باہر گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔۔۔ عمائمہ نے چائے کا آخری گھونٹ بھر کر اپنی فائل اور بیگ اٹھایا۔ "فاریہ آ گئی ہے میں چلتی ہوں او کے بابا امی اللہ حافظ۔"

"ٹیک کیئر بیٹا۔" عمائمہ کے جانے کے بعد صادق صاحب نے پھر سے اخبار اٹھا لیا تھا۔ گھر میں یک دم سناٹا سا چھا گیا تھا۔۔۔ باقی تینوں عمائمہ کے اٹھنے سے پہلے ہی جا چکی تھیں۔

"کل رات زری کا فون آیا تھا۔۔۔ باتوں باتوں میں عمائمہ کے تھیسس سے فارغ ہونے کا پوچھ رہی تھی۔" نسرین بیگم کی تفکر بھری آواز پر صادق صاحب نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"تو کیا ہوا بھئی۔۔۔ اس میں پریشان ہونے والی کون سی بات ہے بیٹیاں تو چڑیوں کی طرح ہوتی ہیں ایک دن گھونسلہ تو انہیں چھوڑنا ہی پڑتا ہے نا۔"

"ایک نہ دو۔۔۔ چار چار بیٹیاں بیاہنی ہیں کاش ہمارا بھی کوئی بیٹا ہوتا۔ جو آپ کا سہارا بن کر بڑھاپے میں ہماری خدمت کرتا۔"

"او نیک بخت 'بیٹے' بھی کبھی سہارا بنتے ہیں؟ سہارا دینے والی ذات تو وہ اوپر بیٹھی ہے۔" صادق صاحب نے ان کی مایوسی پر ٹوکتے ہوئے کہا۔

"تہجد اور پانچ وقت کی نماز پڑھ کر ایسی ناشکری کی باتیں تمہیں زیب نہیں دیتیں یہ بیٹیاں 'اگلے جہان میں ہماری بخشش کا باعث بنیں گی کیوں پریشان ہوتی ہو؟ جس ذات پاک کے کرم سے یہ رحمتیں اس گھر میں آئی ہیں ان کے نیک وسیلے اور سبب بھی وہی بنائے گا۔"

"صادق صاحب آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن اس ماں کا کیا کروں جو چار جوان بیٹیوں کو دیکھ کر ہولتی رہتی ہے کتنے عرصے سے عمائمہ کی شادی کے لیے کمیٹیاں ڈال رکھی ہیں آپ کی بیماری فاطمہ، زینب، علینہ کے تعلیمی اخراجات ان کی شادیاں؟ کیسے ہو گا یہ سب؟ سانسیں بہت کم ہو گئی ہیں اور زندگی کا یہ سفر بہت لمبا لگنے لگتا ہے مجھے۔" نسرین بیگم نے دوپٹے کے پلو سے اپنے آنسو خشک کیے۔

اللہ فرماتا ہے اور سچ فرماتا ہے۔

"آج ہماری زندگیوں سے خوشی ختم ہو گئی ہے جیسے دسترخوان پہ سجے ہوئے کھانوں سے ذائقہ اٹھا دیا جائے۔ ہم نے شکر کرنا چھوڑ دیا ہے اللہ کی بجائے انسانوں سے سہاروں کے متلاشی رہنے لگے ہیں، حالانکہ اس کی رحمتوں کا تو یہ عالم ہے کہ وہ تو ان کافروں کو بھی بھوکا نہیں مارتا جو اس کے دین کے دشمن بن بیٹھے ہیں اور ہم دل میں ایمان کی روشنی ہونے کے باوجود اس روشنی کو مایوسی کے اندھیروں میں کہیں دفن کر چکے ہیں۔

او نیک بخت جتنی اچھی ماں بننے کے لیے عورت اپنا آپ مارتی ہے اتنی اچھی اگر مومن عورت بننے کے لیے جان ماری کرے تو دنیا کے ساتھ ساتھ اپنی آخرت بھی سنوار بیٹھے۔

میری بیٹیاں جاہل، اجڈ، یا گنوار نہیں؟ اللہ نے صورتوں کے ساتھ سیرت میں بھی یکتا رکھا ہے انہیں، کیا یہ اللہ کا انعام نہیں ہے ہمارے لیے؟ اللہ سے ان کے اچھے نصیبوں کے لیے دعا کیا کرو۔ آج کے بعد میں تمہیں یوں روتے ہوئے نہ دیکھوں۔" صادق صاحب بیٹیوں کے معاملے میں ہمیشہ ایموشنل ہو جایا کرتے تھے لیکن آج کچھ زیادہ ہی بول گئے تھے۔

"صادق صاحب۔۔۔ بیٹیوں کے بغیر والدین خود

ادھورے ہوتے ہیں اور بیٹوں کے بغیر معاشرہ انہیں ادھورا کر دیتا ہے۔" نسرین بیگم چائے کے برتن اٹھاتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں بولی تھیں۔

☼ ☼ ☼

عمائمہ اور فارینہ ابھی کلاس سے نکلی تھیں اور ساتھ ہی فاری کی چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی تھی۔

"محترمہ شادیوں کا سیزن ہے کب کھلا رہی ہو اپنی شادی کے میٹھے اور نمکین چول (چاول)۔" فارینہ نے اپنے مخصوص سیالکوٹی لہجے میں پوچھا تو عمائمہ بے ساختہ مسکرا دی۔

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی..... مجھ سے زیادہ میری شادی کی فکر میں آخر تم کیوں دبلی ہوتی جا رہی ہو.....؟

"یار سیدھی سی بات ہے تمہارے تجربے سے فائدہ اٹھاؤں گی۔" "اچھا اب بکو مت ..... پتا نہیں یہ زری خالہ کو کیا ہو گیا ہے ہر تیسرے دن فون پر امی سے میری شادی کے متعلق بات چیت کر رہی ہوتی ہیں۔"

عمائمہ نے جھنجلائے لہجے میں اپنا بیگ ایک کندھے سے دوسرے کندھے پر منتقل کیا۔

"لو کر لو گل تے سن لو بات! لڑکیاں اپنی شادی کے ذکر پر کھل اٹھتی ہیں لیکن یہاں معاملہ ہی کوئی "وکھری ٹائپ" کا ہے۔"

"یار فاری تمہیں پتا تو ہے سب کچھ..... بابا گزشتہ کئی سالوں سے شوگر اور کینسر جیسی بیماریوں سے لڑ رہے ہیں اور امی کا بلڈ پریشر..... ہم چاروں بہنوں کو دیکھ دیکھ کر اکثر و بیشتر ہائی رہتا ہے..... میں ایم فل کے بعد دو تین سال تک ..... کوئی جاب وغیرہ کر کے..... امی بابا اور اپنی چھوٹی بہنوں کے لیے کچھ کرنا چاہتی ہوں ..... اس مہنگائی میں محض ایک معمولی سے جنرل اسٹور سے ضروریات زندگی پوری نہیں ہوتی ہیں تم ہی اب بتاؤ؟ ان حالات میں امی اور بابا کو زندگی کے بھنور میں اکیلا چھوڑ کر میں خود شادی رچا کر دبئی جا بیٹھوں حالات پھر ویسے کے ویسے ہی رہیں گے..... بابا اپنی بیماری سے لڑنے کی جدوجہد میں اور امی ایک بار پھر پیسوں کے ہول توڑ میں جت جائیں گی۔" عمائمہ کے لہجے میں بے بسی تھی وہ دونوں چلتے چلتے اپنے ڈیپارٹمنٹ سے کراؤنڈ میں اپنے مخصوص بینچ پر آ بیٹھیں۔

"اس معاملے میں انکل اور آنٹی کیا کہتے ہیں .....؟"

"ظاہر ہے..... امی اور بابا تو روایتی والدین کی طرح جلد ہی میری شادی کے فرائض سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں۔" عمائمہ نے بیگ اپنے ساتھ بینچ پر رکھتے ہوئے بتایا۔

"تو میری جان تمہیں بھی زیادہ ٹینس ہونے کی ضرورت نہیں ہے جو بھی ہو گا بہتر ہی ہو گا۔ ویسے بھی میری دادی حضور ہر دوسرے ہفتے میری مما کو میرے حوالے سے یہ یاد دہانی کروانا اپنا فرض سمجھتی ہیں کہ شادی اور پھل موسم کا ہی اچھا لگتا ہے موسم گزر جائے تو پھلوں کے ذائقے میں وہ مزا نہیں رہتا۔" فارینہ اپنی دادی حضور کے اسٹائل میں بولی تو عمائمہ کے لب مسکرا اٹھے۔

"لو کے بڑی بی بہت ہو گیا ..... اب اس سنگین ٹاپک کو چھوڑو اور میرے اوپر تھوڑا رحم کرو..... بھوک سے دن میں تارے نظر آنے لگے ہیں مجھے۔" فارینہ کی دہائی پر فارینہ اٹھ کھڑی ہوئی اور دونوں کینٹین کی طرف چل پڑیں۔

☼ ☼ ☼

شام خاموشی سے اپنے پنکھ پھیلائے رات کے دروازے پر دستک دے رہی تھی۔ نسرین بیگم اور فاطمہ نماز سے فارغ ہو چکی تھیں۔ آمنہ رات کی روٹیوں کے لیے آٹا گوندھ رہی تھی۔ زینب بھی اس کی نیت باندھ رہی تھی عمائمہ نے آہستگی سے کتاب بند کی اور نماز کے لیے اٹھ گئی۔

بابا کے آنے میں ابھی آدھا گھنٹہ باقی تھا وہ

مغرب کی نماز پڑھ کر گھر آیا کرتے تھے ..... رات کا کھانا صادق صاحب اپنی بیٹیوں کے ساتھ کھایا کرتے تھے ..... اتنے میں چاروں بچیاں بھی نماز اور دیگر کاموں سے فارغ ہو کر ان کا انتظار کر رہی ہوتیں ..... ماں کی نسبت وہ چاروں بہنیں..... بابا سے قریب تھیں۔

وضو کے بعد اس نے جائے نماز اٹھائی اور زینب کے برابر بچھا کر نیت باندھ لی ..... نسرین بیگم ہمیشہ کی طرح ہر نماز کے بعد مختلف وظائف میں مصروف تھیں۔

عمائمہ نے دعا کے بعد جائے نماز تہ کی اور کچن میں چلی آئی۔

"آمنہ پرسوں تمہارا ٹیسٹ ہے میں گوندھ لیتی آٹا ..... بھلا تمہیں کچن میں گھسنے کی کیا ضرورت تھی .....؟"

"کوئی بات نہیں آپی ..... دراصل میں چائے بنانے آئی تھی ..... ساتھ میں آٹا بھی گوندھ دیا۔"

"اہم اہم! جناب آپ کے لیے کسی کا فون آیا ہے دبئی سے۔" عقب سے فاطمہ نے شریر لہجے میں عمائمہ کے کان کے قریب سرگوشی کی.....

"کس کا فون ہے زری خالہ کا یا .....؟"

"یہ تو تمہیں سننے کے بعد ہی پتا چلے گا۔" فاطمہ نے تجسس پھیلایا۔

"تمہیں پتا بھی ہے مجھے یہ سب پسند نہیں ہے۔" عمائمہ نے خفگی سے فاطمہ کو گھورا۔

"بات کرنا..... یا بات کرنے والا .....؟ یہ تو بتا دیں عمائمہ آپی اب بھی کچھ نہیں بگڑا ہے۔" زینب نے کچن میں داخل ہوتے ہوئے بات آگے بڑھائی۔

"ایک تو میں تم تینوں کی ان حرکتوں سے بہت تنگ ہوں، نہیں ہوتیں مجھ سے اوٹ پٹانگ باتیں۔" اس کے جھنجلائے لہجے پر وہ تینوں کھل کر مسکرائیں۔

"آپی مجھے حیرت ہوتی ہے آپ جیسی بہترین ڈیبیٹر کی زبان یار بھائی کے سامنے بولتی کیوں بند ہو جاتی ہے۔" آمنہ نے مسکراتے ہوئے چائے پیالیوں میں ڈالی۔

"بس مجھ سے نہیں جھاڑا جاتا ہے فضول قسم کا رومانس۔۔۔ کیا یہ مسٹر زاویار کے لیے کافی نہیں ہے کہ میں نے اپنی پوری زندگی کو موصوف کے نام کر دینے کا فیصلہ سنا دیا ہے۔"

"مائی سویٹ سسٹر! تھوڑا اپنے آپ کو بدلو' اپنے اندر زاویار بھائی کے لیے کچھ رومانس کی گنجائش رکھو ۔۔۔ آج کل کے دور میں یہ چیزیں بھی ضروری سی ہو گئی ہیں' فیاسی سے زیادہ بات نہ کریں تو یہ طعنہ بھی بڑے آرام سے ہمارے کھاتے میں لکھ دیا جاتا ہے لڑکی بہت مغرور ہے۔"

اس نے خود سے ڈیڑھ سال چھوٹی فاطمہ کو دیکھا جس کے چہرے پر اب شرارت سے زیادہ نہ جانے کی سمجھ بوجھ درج تھی۔۔۔

"اچھا جی۔۔۔ مجھے تو اب تک ان باتوں کا پتا نہیں تھا۔ بائی داوے رومانس کے لیے دل میں گنجائش کیسے نکالوں؟" عمائمہ نے مسکراہٹ دباتے ہوئے استفسار کیا۔ "اچھے شعراء کا کلام پڑھا کریں۔۔۔" آمنہ نے فاطمہ کے دل کی بات دہرائی۔

"آپی آپ یہ چائے پیجیے اور زاویار بھائی سے" "ہوں" ہاں کر آئیں بے چارے کب سے امی کے دکھڑے سن رہے ہیں۔" آمنہ نے عمائمہ کو پیالی تھماتے ہوئے مفید مشورے سے نوازا تو عمائمہ زیرلب مسکراتی ہوئی کچن سے باہر نکل آئی۔ بابا کی طویل بیماری' گھر کے دیگر مسائل اور بھائی کے بغیر انسانوں کے اس جنگل میں خود کو تحفظ دیتے دیتے۔۔۔ وہ تین ایج میں ہی خاصی پریکٹیکل ہو گئی تھی۔

"السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟" عمائمہ نے سلام کے بعد خیریت پوچھی۔۔۔ تو جواباً بہت گمبھیر لہجے میں مرد تو بھری گئی۔

حال مجھ سے پوچھنا اس کا اور اس کے بعد
بدحواسی میں وہ میرا بولتے جانا

"تو بس ایسا ہی حال ہے میرا۔" عمائمہ کا دماغ گھومنے لگا۔

"زری خالہ کیسی ہیں؟ شائل' فائز اور انکل سب ٹھیک ہیں نا؟" عمائمہ نے ایک ہی سانس میں سب کی خیریت پوچھی۔

"وہ سب تو ٹھیک ہیں لیکن تمہارا یہ ہیشنٹ۔ آج کل کچھ ٹھیک نہیں رہتا۔" شرارت برقرار تھی۔

"کیوں کیا ہوا؟" عمائمہ نے پریشانی سے پوچھا۔

"کیا تم نہیں جانتی ہو؟"

"نہیں مجھے بھلا آپ نے کب بتایا ہے کہ آپ کی طبیعت کس وجہ سے ناساز ہوئی ہے موسم بھی تو بدل رہا ہے۔۔۔ شاید اس وجہ سے۔"

اس کی بات پر زاویار نے کرب ناک لہجے میں دل کا حال سنایا۔

ہماری اور اس کی زندگی میں فقط ترتیب کا فرق ہے
اس کی زندگی میں ہم سب کے بعد آتے ہیں
اور ہماری زندگی میں سب اس کے بعد آتے ہیں

"زاویار یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ میں نے تو آپ کی خیریت پوچھی تھی۔" عمائمہ کا ذہن الجھا۔

"اماں ابا کے ساتھ آ رہا ہوں۔ اگلے مہینے پھر تمہیں تمام ایسی ویسی باتوں کے بارے میں تفصیل سے بتاؤں گا۔" وہ خاموش رہی۔

"اچھا چھوڑو یہ حال احوال۔۔۔ کوئی اچھی سی بات کرو' جو مجھے فریش کر دے۔" اب کے مخمور لہجے میں فرمائش ہوئی۔

"اچھی سی بات۔۔۔" عمائمہ نے خود کلامی کرتے ہوئے جیسے خود سے پوچھا۔۔۔ لیکن فریش کر دینے والی کوئی بھی بات ذہن میں نہ آ رہی تھی۔

"بابا آ گئے ہیں پھر بات ہو گی۔"

"ارے سنو تو۔۔۔" دوسری طرف سے عجلت میں پکارا گیا لیکن وہ فون بند کر چکی تھی۔ بے اختیار عمائمہ نے طویل سانس خارج کی۔۔۔

"پتا نہیں لڑکیاں اپنے فیانسی نام کی چیز سے اتنی لمبی لمبی باتیں کیسے کر لیتی ہیں؟" عمائمہ نے کپ کو دیکھا جس میں چائے یقیناً ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

تھراپی کے بعد صادق صاحب بہت نڈھال ہو جایا کرتے تھے' نسرین بیگم مسلسل دعائے گنج العرش پڑھ کر ان پر پھونک رہی تھیں اور عمائمہ ہولے ہولے ان کے پاؤں دبا رہی تھی اور چپ چاپ ویران نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"اٹھیے زینب جوس لائی ہے پی لیجیے۔" نسرین بیگم نے صادق صاحب کو اٹھایا۔

عمائمہ کے ساتھ زینب نے بھی ان کے بیٹھنے میں مدد کی' آدھا جوس پینے کے بعد انہوں نے گلاس پیچھے کر دیا۔ فاطمہ بابا کے لیے دلیہ بنا رہی تھی۔

"بابا کھانا نہیں کھائیں گے کیا؟" انہیں ایک بار پھر لیٹتے ہوئے دیکھ کر عمائمہ نے استفسار کیا۔

"نہیں بیٹا بے چینی ہے کسی شے کی طلب نہیں ہو رہی تم چاروں اپنی ماں کے ساتھ کھانا کھا لو۔"

"نہیں بابا دوپہر میں ہم سب نے ویر سے کھانا کھایا تھا۔ ابھی بھوک نہیں ہے ہمیں۔" زینب کی آنکھوں میں بابا کی تکلیف پر آنسو جھلملانے لگے۔

"بابا اب کیسا فیل کر رہے ہیں؟" عمائمہ نے نرمی سے ان کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیا۔

"میں اب ٹھیک ہوں بیٹا۔" صادق صاحب مسکرائے تھے۔ عمائمہ ایک بار پھر ان کے پاؤں دبانے لگی۔

"بس کرو بیٹا تھک جاؤ گی۔" انہوں نے نیم وا آنکھوں سے عمائمہ کو دیکھا۔

"بابا آپ کا بیٹا آپ جیسا ہے جلدی تھکنے والوں میں سے نہیں۔" اس کی بات پر اب کے وہ دل سے مسکرائے۔

"لیکن آج کل میں دیکھ رہا ہوں میرا بیٹا بہت کمزور ہو رہا ہے؟"

"کہاں بابا میں' فاطمہ' زینب اور آمنہ سے کہیں زیادہ کھاتی ہوں۔" عمائمہ نے انہیں باتوں میں الجھایا تاکہ انہیں تکلیف کا احساس نہ ہو سکے۔

"اور پھر بھی تم۔۔۔ تینوں سے چھوٹی لگتی ہو۔۔۔ ہے نا۔"

"کم آن بابا۔۔۔" وہ جھینپی۔

اب کے وہ نسرین بیگم سے مخاطب ہوئے۔

"صفدر آیا تھا کیا۔۔۔؟"

"جی وہ تو کافی دیر پہلے ہی سارا حساب کتاب اور اسٹور کی چابیاں دے گیا تھا۔ آپ اس وقت سو رہے تھے۔" نسرین بیگم کے آگاہ کرنے پر انہوں نے اطمینان سے آنکھیں موند لیں۔

صادق صاحب کے ایک بھائی ڈینمس میں مقیم تھے اور دوسرے بھائی اسلام آباد کے ایک پوش ایریا میں رہائش پذیر تھے۔ دونوں بھائی اپنی پرتعیش زندگیوں میں اتنے مگن تھے کہ انہیں سگے بھائی کی سسکتی زندگی میں جھانکنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی تھی۔ یہی نہیں دونوں بھائیوں نے نہایت مکاری سے وراثت میں ملنے والی ان کے حصے کی جائیداد بھی اپنے نام کروا لی تھی۔ کیونکہ صادق صاحب کا کوئی بیٹا نہیں تھا۔

پروفیسر صادق صاحب اللہ کے شکر گزار بندوں میں سے تھے پھر بھی کوئی شکوہ زبان پر لائے بغیر اپنی حق حلال کی کمائی سے زندگی کی ضرورتوں کو پورا کر رہے تھے۔ چار پانچ سال پہلے زندگی مطمئن و خوش و خرم گزر رہی تھی۔ وہ G.C میں نہایت ایمان داری سے درس و تدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے کہ کینسر جیسی بیماری نے آ لیا۔ مجبوراً انہیں قبل از وقت ریٹائرمنٹ لینی پڑی زندگی نے چار بچیوں کے ساتھ ایک بڑے امتحان میں ڈال دیا تھا۔ اسے بھی وہ اللہ کی رضا جان کر بہت صبر سے جی رہے تھے۔

قبل از وقت ریٹائرمنٹ کے بعد انہوں نے گھر کے قریب ہی جنرل اسٹور کھول لیا تھا۔ صفدر بڑا ایمان دار لڑکا تھا جو پندرہ سال کی عمر میں ان کے پاس آیا تھا۔ پروفیسر صاحب اسے پڑھانے میں بھی مدد کر دیا کرتے تھے۔۔۔ یتیم بچہ تھا۔ ممانی کے طعنے سن سن کر اس نے میٹرک کے بعد تعلیم چھوڑ کر پروفیسر صاحب کے

اسٹور پر نوکری کرلی تھی۔ لیکن صادق صاحب کے بھرپور تعاون سے آج کل وہ پرائیویٹ ایم اے کی تیاری کررہا تھا اور ساتھ ان کا جنرل اسٹور بھی سنبھال رہا تھا۔۔۔ درحقیقت وہ پروفیسر صاحب کی نیکی کو بھولا نہیں تھا۔۔۔ اور نہایت ایمان داری سے اپنی ذمہ داری کو نباہ رہا تھا۔

پروفیسر صاحب اس زندگی کی رکتی، چلتی گاڑی کو نہایت مطمئن انداز میں گزار رہے تھے۔ درس و تدریس جیسے پیشے سے صادق صاحب کو بہت عقیدت تھی۔ اتنا وقت بیت جانے کے باوجود گاہے بگاہے ان کے اسٹوڈنٹس اکثر اوقات ان کی خیریت دریافت کرنے چلے آتے اپنے اسٹوڈنٹس سے تعلیمی اور دیگر ملکی امور پر تبادلہ خیال سے۔۔۔ بیماری کے ساتھ دل پر چھائی یاسیت خود بخود چھٹنے لگتی تھی۔

یہی ان کی زندگی کے معمولات تھے جن میں وہ اپنی چاروں بیٹیوں اور وفادار بیوی کے ساتھ خوش و خرم انداز میں جی رہے تھے۔

بچپن سے لے کر اب تک Toprer کا خطاب حاصل کرنے والی چوبیس سالہ عمائمہ صادق کو اپنے اسکول و کالج کی بہترین ڈیبیٹر کا خطاب بھی حاصل رہا تھا دھان پان سی نظر آنے والی عمائمہ ایم فل کے تھیسس کمپلیٹ کرتی آج کل اپنی سابقہ پوزیشن برقرار رکھنے کے لیے بھرپور محنت کررہی تھی۔

اس نے پارٹ ٹائم میں ایک ایجوکیشنل اکیڈمی جوائن کررکھی تھی جس سے وہ اپنے تعلیمی اخراجات پورے کرلیتی تھی۔۔۔ شاعرانہ مزاج کی حامل اس سے چھوٹی فاطمہ ابلاغ عامہ میں ایم اے کررہی تھی۔ زینب بی اے اکنامکس اور آمنہ ایف ایس سی کررہی تھی اور میڈیکل میں جانے کا ارادہ رکھتی تھی۔

عمائمہ کی اپنے خالہ زاد زاویار سے نسبت طے ہو چکی تھی جو گزشتہ پندرہ برس سے دبئی میں رہائش پذیر تھے اکثر کسی فیملی فنکشن یا عید تہوار پر پاکستان آتے اور چند دنوں کے بعد واپس لوٹ جاتے۔

آج کل گھر میں زری خالہ کی آمد کے سلسلے میں تبصرے ہورہے تھے۔۔۔ کچھ دنوں تک وہ دبئی سے پاکستان آرہی تھیں۔ عمائمہ کے تھیسس ختم ہوئے تو وہ پھر سے اکیڈمی جانے کے پر تولنے لگی۔ تھیسس کی وجہ سے وہ چند دن کے لیے چھٹیوں پر تھی۔۔۔ لہٰذا ایک دو دن تھکاوٹ اتارنے کے بعد وہ آج اکیڈمی جانے کی تیاری کررہی تھی کہ نسرین بیگم کمرے میں چلی آئیں۔

"عمائمہ بیٹا اب خود کو اکیڈمی کے چکر میں الجھانے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں! جیسے تیسے یہ مہینہ پورا کرو اور پھر ختم کرو اس سلسلے کو زری اور احسان میاں آرہے ہیں تمہاری شادی کی تاریخ مانگنے۔"

"امی مجھے سمجھ نہیں آتا کہ آپ کو اتنی جلدی کیوں ہے؟ کیا تمام پرابلمز کا حل صرف میری شادی ہی ہے؟" وہ سر پہ اچھی طرح سے اسکارف لپیٹتے ہوئے امی کی بات پر گویا پھٹ پڑی۔

"چوبیس پچیس سال کی ہورہی ہو تم۔ ابھی جلدی نہ کروں تو کیا اسی گھر میں بیٹھا کر بوڑھا کروں؟ زندگی اور موت تو صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے لیکن تمہارے باپ کی بیماری ہر وقت ہولائے رکھتی ہے مجھے' اللہ انہیں سلامت رکھے عورت مرد کے بغیر ایک تنکے سے بھی ہولی ہو جاتی ہے اور پھر میرا تو کوئی بیٹا بھی نہیں جو سنبھالا دے گا مجھے ذمہ داریاں نبھائے گا تم چار دن کی تمہارے بابا بھی یہی چاہتے ہیں کہ جلد از جلد تم اپنے گھر کی ہو جاؤ تاکہ فاطمہ اور زینب کے فرائض کا بھی کچھ سوچا جائے۔"

"امی تو میں کیا اپنی بہنوں کی راہ میں رکاوٹ ہوں؟" اس کی آواز خود بخود رندھ گئی۔

"نہیں میری بچی یہ مطلب تھوڑی تھا میرا؟ تمہیں ایک ماں کے اندیشے کیسے بتاؤں؟۔۔۔" ان کی آواز میں بھی نمی گھل گئی۔

"ٹھیک ہے امی' بابا اور آپ کی فکریں اگر یونہی دور ہوتی ہیں تو جو آپ کو مناسب لگے وہ آپ کریں۔۔۔ مجھے اکیڈمی سے دیر ہورہی ہے میں چلتی ہوں۔" اپنے شانوں پر اچھی طرح سے دوپٹہ پھیلانے کے بعد اس

نے اپنا بیگ اٹھایا اور ہار مان لی۔

گھر سے ہی فریش موڈ میں نہیں آئی تھی اکیڈمی تک انہی سوچوں میں ذہن گھر رہا تھا اتنے دنوں کی غیر حاضری کے بعد تمام کولیگ ٹیچرز' اور اپنے اسٹوڈنٹس کی طرف سے عمائمہ کو ایسے بہت سے تعریفی القابات سننے کو مل رہے تھے۔

"میم آئی مس یو۔"

"میم آپ کے بغیر اکیڈمی آنے کو دل ہی نہیں چاہ رہا تھا۔"

"میڈم پلیز آپ چھٹی مت کیا کریں۔"

"مس مائے پلیزر' آپ سب کی طرح میں نے بھی آپ کو بہت مس کیا۔ دراصل میری شخصیت کے پیچھے میرے بابا کی پرسنالٹی ایک رول ماڈل بن کر کھڑی رہتی ہے۔۔۔ اتنے برس گزر جانے کے بعد بھی ان کے اسٹوڈنٹ انہیں ملنے کے لیے آتے ہیں۔۔۔ وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے۔ ایک بچے کی پرسنالٹی کے پیچھے تین لوگوں کی جدوجہد پوشیدہ ہوتی ہے ماں' باپ اور استاد۔۔۔ استاد کا درجہ یہ ہے کہ وہ اپنے اسٹوڈنٹ کے ساتھ شفقت اور نرمی سے پیش آئے اس کی نفسیات اور پرابلم کو نظر انداز کرنے کی بجائے اسے سمجھے' اسٹوڈنٹ کے دل میں اپنا مقام استاد کو خود بنانا پڑتا ہے۔۔۔ لہٰذا آپ لوگ بھی میری محنت کی داد دیجیے کہ میں نے ایجوکیشنل اکیڈمی کے بگڑے ہوئے "اونٹوں" کو سدھار دیا ہے۔" اس کی بات پر کلاس روم میں ہنسی گونج اٹھی۔

"اچھا بھئی بہت ہو گئیں باتیں اب کچھ پڑھ لیا جائے۔۔۔؟" عمائمہ نے مسکراتے ہوئے لیکچر شروع کیا۔ وہ ایل اے لیول کے اسٹوڈنٹ کو پڑھا رہی تھی۔

چھٹی کے بعد اس کے تمام کولیگز نے مل کر اس کے لیے ایک چھوٹی سی ویلکم پارٹی ارینج کررکھی تھی۔ اس ہلے گلے میں وقت کا احساس ہی نہیں ہوا تھا۔۔۔ عموماً وہ سات آٹھ بجے تک آجایا کرتی تھی لیکن آج دیکھتے ہی دیکھتے۔۔۔ گھڑی نے نو بجا دیے تھے واپسی پر اس کے ایک کولیگ فہد مجید نے اسے ڈراپ کرنے کی آفر بھی کی لیکن اس نے سہولت سے انکار کردیا۔

"تو تھینکس مسٹر فہد۔۔۔ مین روڈ قریب ہی ہے میں کوئی رکشہ لے لوں گی۔ خوامخواہ آپ کو پرابلم ہوگی۔"

"ارے عمائمہ آپ بھی کمال کرتی ہیں۔ مجھے بھلا کیا پرابلم ہوگی؟"

"تھینکس اگین مسٹر فہد۔" وہ قدرے مایوس سا کندھے اچکا کر آگے بڑھ گیا۔

وہ اکیڈمی سے نکل رہی تھی کہ اسی اثنا میں اس کے سیل کی بیپ بجی۔۔۔ نسرین بیگم کی کال تھی۔ انہیں مطمئن کرنے کے بعد عمائمہ اکیڈمی سے نکل آئی۔ لڑکپن ہی سے زندگی اسے یہ باور کروا چکی تھی کہ اپنی ذات کو تحفظ اسے خود دینا ہے۔ اور پھر اسکول و کالج میں غیر نصابی سرگرمیوں میں حصہ لینے سے اس کا اپنی ذات پر اعتماد اور بھی بڑھ گیا تھا۔ وہ تیزی سے قدم بڑھاتے مین روڈ کی طرف جارہی تھی کہ۔۔۔ ایک پراڈو اس کے قریب آکر رکی۔

عمائمہ ابھی سنبھل بھی نہ پائی تھی کہ پاور ونڈو گاڑی کا شیشہ نیچے ہوتے ہی نشے میں ڈوبی مردانہ آواز سنائی دی۔

"تو آج کل یہ حلیہ اپنا لیا ہے تم لوگوں نے۔" بولنے والے نے لڑکھڑاتے لہجے میں لفظ "تم لوگوں" پر زور دیا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا اور کون ہو تم۔۔۔؟" عمائمہ نے اپنی بکھری سانسوں کو بحال کرتے ہوئے اس شخص کو غصے سے دیکھا۔

"My sweet keart اب یوں راستے میں اپنا مطلب سمجھاؤں یا اپنا نام بتاؤں؟ کم آن گاڑی میں بیٹھو پچھلے بیس منٹ سے تمہیں ڈھونڈ رہا ہوں۔" اس شخص کی غلیظ نظروں نے اب اس کا طواف شروع کردیا تھا۔ عمائمہ کا دل سوکھے پتے کی طرح لرزا۔

"کون ہو تم میں تمہیں نہیں جانتی۔"

"کم آن بے بی۔۔۔ لگتا ہے نئی نئی شامل ہوئی ہو اس دھندے میں بٹ اینی وے۔

Don't waste my time اپنا تعارف میں تمہیں فارم ہاؤس پہنچتے ہی کروادوں گا۔" وہ شخص نشے میں تھا اور اسے یقیناً" کوئی غلط فہمی ہو رہی تھی اس کے ساتھ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا شخص بھی اسے عجیب نظروں سے گھور رہا تھا۔

"پتا نہیں تم لوگ کس غلط فہمی کا شکار ہو رہے ہو۔" وہ نفرت سے اپنا جملہ مکمل کرنے کے بعد آگے بڑھی تو وہ شخص گاڑی سے نیچے اتر آیا۔

"میں تم لوگوں کو نہیں جانتی' نہ جانے کس گندی بالی سے نکل کر آئے ہو۔" عمائمہ کے لہجے میں غصہ' جھنجلاہٹ' کراہیت' نفرت سب کچھ تھا۔

"تم تو کیا تمہارا باپ بھی جائے گا۔ ابھی تمہاری اس موٹی خرانٹ سپلائر آنٹی سے ڈیل ہوئی ہے میری' سیدھی طرح گاڑی میں بیٹھو ورنہ اٹھا کر گاڑی میں پھینکوں گا اور کچھ نہیں کر سکوں گی تم۔" اس شخص نے کمال جرأت سے عمائمہ کی کلائی تھام کر گاڑی کی جانب کھینچا تو اس کا ماؤف ہوتا ذہن ایک جھٹکے سے بیدار ہوا۔ اگلے ہی پل عمائمہ نے ایک زوردار تھپڑ اس شخص کے منہ پر مار کر اپنا پاؤں چھڑوایا۔

اس حملے پر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا شخص بھی اچھل کر گاڑی سے اتر آیا۔

"اس ملک کا ہر گلی' محلہ آوارہ کتوں سے بھرا ہوا ہے اور تم جیسے آوارہ کتوں سے نبٹنا مجھے اچھی طرح آتا ہے۔ آج کے بعد کسی راہ چلتی لڑکی کو آفر کرنے سے پہلے اس تھپڑ کو یاد ضرور کر لینا۔" وہ پھنکارتے لہجے میں اسے باور کروا گئی تھی۔ اور اس شخص کا سارا نشہ اس کے زوردار تھپڑ سے ہرن ہو گیا تھا۔

"سنی صاحب آپ حکم کرو۔ ابھی اسے اٹھا کر گاڑی میں پھینک دوں؟"

"نہیں۔!" اس کی نظروں میں بلا کی وحشت تھی۔

☆ ☆ ☆

ماؤف ذہن کے ساتھ وہ پبلک ٹرانسپورٹ کے ذریعے کب اور کیسے گھر پہنچی اسے کچھ پتا نہیں تھا۔ بی پی لو ہو رہا تھا اور ہاتھ پاؤں میں جیسے جان ہی نہیں رہی تھی۔

تمام راستے اس کے اوسان خطا ہوتے رہے۔

گھر کے دروازے پر پہنچتے ہی اس نے شٹر کا کال بیل پڑھا اور لرزتے ہاتھ سے بیل بجائی۔ اگلے ہی پل نسرین بیگم نے دروازہ کھول دیا تھا۔

"عمائمہ اتنی دیر۔ حد ہو گئی تمہاری بھی گھڑی دیکھی ہے تم نے؟ دس بجنے والے ہیں اور وہ بھی جاڑے کے' تمہارے بابا اور میں کتنے پریشان ہو رہے تھے کچھ اندازہ ہے تمہیں۔ میں تو پہلے ہی تمہاری اس لفنگ والی نوکری کے حق میں نہیں تھی۔ تمہاری ضد اور پھر تمہارے بابا کی اجازت پر خاموش ہو بیٹھی۔ لیکن اب میں کہہ رہی ہوں۔ جب تک جمشید خان (رکشہ ڈرائیور جو عمائمہ کو اکیڈمی چھوڑنے اور لانے پر معمور تھا) اپنے گاؤں سے واپس نہیں آجاتا۔ تم بسوں پر دھکے کھا کر اکیڈمی نہیں جاؤ گی۔"

"سوری میرے کولیگز نے ویلکم پارٹی ارینج کر لی تھی۔ اس لیے دیر ہو گئی پھر رہی سہی کسر پبلک ٹرانسپورٹ نے پوری کر دی۔ بس ہر پانچ منٹ کے بعد کسی نہ کسی اسٹاپ پر رکتی رہی۔"

عمائمہ نے اشارے سے کچن کے دروازے میں کھڑی زینی سے پانی مانگا۔ حلق میں جیسے کانٹے اگے ہوئے تھے۔ اسی اثنا میں بڑے کمرے سے بابا عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر باہر نکلے۔ عمائمہ نے انہیں سلام کیا۔

"آج تو بہت دیر کر دی میرے بیٹے نے؟"

"آج واقعی بہت دیر ہو گئی مجھے۔ ایکچوئلی اتنے دن کے بعد اکیڈمی گئی تو۔ کولیگز نے مل کر میرے لیے پارٹی ارینج کر لی۔ بابا میرے لیے انہوں نے اتنا کچھ کیا۔ اور میں کیا سب کچھ چھوڑ کر چلی آتی؟"

بابا کی نرمی پر آنکھوں میں نمی سی اترنے لگی۔

"ارے کوئی بات نہیں بیٹا۔ مجھے اپنے شیر جوان بیٹے پر مکمل بھروسہ ہے تمہیں پتا تو ہے نا تمہاری

ماں کا بی پی اکثر ہائی فائی ہوتا رہتا ہے۔" آخری بات رازداری سے اس انداز میں کہی گئی کہ عمائمہ کے لبوں پر ناچاہتے ہوئے بھی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"اچھا اب جلدی سے فریش ہو کر آجاؤ۔ تمہارے انتظار میں ہم سب نے کھانا بھی نہیں کھایا۔"

"جی بابا میں ابھی آئی۔" وہ سر ہلا کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

"صادق صاحب! بچیوں کے ساتھ اتنی نرمی بھی اچھی نہیں ہوتی' آگے کی سختی نہیں سہہ پائیں گی یہ' بولنا تو کجا تو صرف میری ہی ذمہ داریوں میں شامل ہے زیادہ نہ سہی کم از کم تھوڑا بہت تو ڈانٹ دیا ہوتا آپ نے؟" نسرین بیگم کے جلے کٹے انداز پر وہ بے اختیار مسکرائے۔

"بھئی میرے جیسے کا بھی تم ہی بول لیں۔ اب کیا رہ گیا تھا؟ چھوٹو نسرین بیگم چار دن کی مہمان ہیں۔ یوں بول بلا کر دل مت جلایا کرو۔ اس آنگن کی چڑیاں ہیں چلی گئیں تو خاموشیاں چھوڑ جائیں گی۔ پھر نہ یہ آوازیں ہوں گی اور نہ ان کی ہنسی۔"

صادق صاحب کی آواز میں افسردگی سی چھا گئی۔ نسرین بیگم سر جھٹک کر فاطمہ اور زینب کو کھانا لگانے کی ہدایت کرنے لگیں۔ عمائمہ واش روم میں کھڑی کتنی ہی دیر تک منہ پر پانی کے چھینٹے مارتی رہی اور ذہن سے اس غلیظ نشے میں دھت شخص کی لال انگارہ نظروں اور باتوں کو ذہن سے جھٹکتی رہی۔

"عمائمہ اب آبھی جاؤ۔ بابا دسترخوان پر تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔" فاطمہ نے دروازے پر دستک دینے کے بعد آواز لگائی تو سوچوں کا تسلسل بھی ٹوٹ گیا وہ باہر نکل آئی۔

☆ ☆ ☆

رکشہ ڈرائیور جمشید خان کے والد بیمار تھے۔ اس سلسلے میں جمشید خان گاؤں گیا ہوا تھا اور عمائمہ کو آج کل پبلک ٹرانسپورٹ سے اکیڈمی تک کا سفر مجبوری میں کرنا پڑتا تھا۔ کیونکہ اس کے اسٹوڈنٹس کے لاسٹ ٹرم شروع ہو رہے تھے۔ دوسرے دن اکیڈمی سے واپسی پر اس جگہ رات کا واقعہ ایک بھیانک خواب کی طرح لمحہ بھر کے لیے' ایک خوف بن کر چھایا مگر اگلے ہی پل اس کے کردار کی مضبوطی اور اس کے اندر کے ایمان نے اسے چٹانوں جیسی قوت و مضبوطی عطا کر دی تھی۔ واپسی پر وہ مین روڈ پر بس کے انتظار میں کھڑی تھی۔ جب وہی پراڈو اس کے قریب آ رکی۔

گاڑی کا شیشہ نیچے ہوتے ہی وہی منحوس شکل دیکھ کر عمائمہ کے تن بدن میں جیسے آگ لگ گئی تھی۔

"لگتا ہے کل والا' سبق بھول گئے ہو تم۔" اس کے دانت پیستے انداز پر سنی نے قہقہہ لگایا۔

"ایک سخت گیر ٹیچر کا دیا ہوا سبق بے چارہ ایک مظلوم سا اسٹوڈنٹ بھلا اتنی جلدی بھول بھی کیسے سکتا ہے؟"

"میں تم جیسے لفنگوں کے منہ نہیں لگتی لہٰذا اپنا راستہ ناپو۔" غصہ اور نفرت ہنوز برقرار تھی۔

"تعریف کا شکریہ! لیکن میں آپ سے کل والے واقعہ پر ایکسکیوز کرنے آیا تھا کل ایک غلط فہمی کی بنا پر میں آپ سے بلاوجہ الجھتا رہا۔"

"اوکے غلط فہمی ہوئی تھی میں نے مان لیا۔ بات ختم ہوئی اب آپ جا سکتے ہیں۔" عمائمہ نے اس کی بات سنتے ہی جان چھڑانے کے لیے اپنا حتمی فیصلہ سنایا اور ایک بار پھر بس کے انتظار میں دائیں بائیں نظریں دوڑائیں۔ سنی نے لحظہ بھر اس کے دوٹوک انداز کو دیکھا۔

"چلیے میں آپ کو ڈراپ کر دوں' کہاں جانا ہے آپ نے۔" اس کے دوستانہ انداز پر عمائمہ نے تیوری چڑھائی۔

"دیکھو مسٹر تم ایک بار پھر مجھے غلط سمجھ رہے ہو تم جیسے آوارہ مردوں کی "ہمدردیاں" صرف لڑکیوں کو دیکھ کر ہی جاگتی ہیں۔ کسی بوڑھے اور لاچار شخص کو دیکھ کر کیوں گاڑی نہیں روکتے ہو تم لوگ۔" عمائمہ کی بات پر اس نے قہقہہ لگایا۔

"ویری گڈ یقیناً" آپ اپنے کالج کی بہترین ڈیبیٹر

رہی ہوں گی۔۔۔؟"

اس کے تعریفی انداز پر وہ اندر ہی پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔

"چلیے میرے ساتھ آج ڈنر ہی کر لیں۔۔۔"

"جسٹ شٹ اپ۔۔۔ میں تم جیسے گھٹیا مردوں پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرتی۔" عمائمہ کی مطلوبہ بس آ گئی تھی۔ لہٰذا جلدی سے آگے بڑھ گئی اور سنی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے اس بس کو نظروں سے اوجھل ہوتا دیکھتا رہا۔ جس میں وہ سوار ہو کر گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

آج کھولیں گے لب سیے اپنے
تم بہت سال رو لیے اپنے
اب میرے 'صرف میرے ہو کے رہو
دل کی ہر بات دل سے کہنے دو
میری بانہوں میں خود کو بہنے دو
تم بہت سال رو لیے اپنے
اب میرے 'صرف میرے ہو کے رہو

وہ چاروں عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر اپنے اپنے بستروں میں گھسی سونے کی تیاری کر رہی تھیں جب فاطمہ نے وصی شاہ کی کتاب سے نظم پڑھنا شروع کی۔

"یار ایک تو ہم تمہاری شاعری سے بہت تنگ ہیں۔" عمائمہ نے جماہی روکی۔۔۔

"اب تم تینوں ٹھہریں سڑو مزاج اور بدذوق! تم لوگوں کو اس نظم میں چھپی محبت کی گہرائی کیا خاک سمجھ میں آئے گی۔۔۔ میں تو یہ بک زاویار بھائی کے لیے لائی تھی۔ آفٹر آل اسی ویک کے اینڈ تک آ رہے ہیں موصوف یعنی گھر میں اب چٹ منگنی اور پٹ بیاہ والا کام شروع ہونے والا ہے؟" فاطمہ کی بات پر زینب کی حیرانی بجا تھی۔

"ہائے آپی! آپ کے بغیر ہم کیسے رہیں گے؟" آمنہ نے دہائی دی۔

"بالکل ایسے ہی جیسے اب تک آپی کے بغیر زاویار بھائی رہ رہے تھے۔" زینب نے ٹکڑا لگایا۔

"ویسے آپی! آپ ایک بات تو بتائیں آپ وہاں جا کر ہمیں بھول تو نہیں جائیں گی؟" آمنہ کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

"اب پلیز عمائمہ کوئی گھسا پٹا ڈائیلاگ مت بولنا۔۔۔ بچی بے چاری سچ سننے کے لیے منتظر بیٹھی ہے۔" فاطمہ نے شرارت سے چھیڑا۔ اور وہ۔۔۔ خاموش نظروں سے ان تینوں کو تکتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ یہاں سے جانے کے بعد وہ کس کس یاد کو یاد رکھے گی بابا کی شفقت کو امی کی حد درجہ فکروں کو یا بہنوں کے اس بے پایاں پیار کو۔۔۔؟

"آپی آپ نہ بھی بتائیں تو ہم خوب جانتے ہیں۔" زینب کے شوخ لہجے پر عمائمہ نے چونک کر اسے دیکھا۔۔۔؟

"یہی کہ بے چارے زاویار بھائی کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔"

"اب ایسے بھی بے چارے نہیں ہیں تمہارے زاویار بھائی خواہ مخواہ میری بہنوں سے ہمدردی وصولتے رہتے ہیں۔" عمائمہ مسکرائی۔

"اچھا سنو آگے کیا لکھتے ہیں وصی شاہ۔"

"یار فاطمہ سونے دو گیارہ بج رہے ہیں اور چھوڑو اس وصی شاہ کے قصے کو ابھی امی نے دیکھ لیا تو کلاس ہو جائے گی۔" اس نے لائٹ بند کر دی۔

"عمائمہ کی بچی کتنی ان رومانٹک ہو تم؟ اور ایک زاویار بھائی ہیں کتنے رومانٹک ہیں وہ کیا بنے گا تمہارا؟" فاطمہ بھی بڑبڑاتے ہوئے سونے کے لیے لیٹ گئی۔

☼ ☼ ☼

وہ بہت دیر سے گاڑی میں بیٹھا۔ اس کے اسٹاپ پر آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ زندگی میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وہ کسی لڑکی کے لیے ایک سڑک چھاپ تھرڈ کلاس عاشق اور آوارہ لفنگے بدمعاش کی طرح تیسرے دن پھر گزشتہ دو دن کی طرح جوتے کھانے کے لیے موجود تھا۔۔۔ عمائمہ اس کی ڈھٹائی پر بری طرح سے تپ گئی تھی

"آج تو بہت انتظار کروایا تم نے۔۔۔ کیا خوب کہا ہے شاعر نے۔

چاند کا مزاج بھی تیرے جیسا ہے فراز
جب دیکھنے کی تمنا ہو تب نظر نہیں آتا

"بکواس بند کرو اپنی اور چھوڑو میرا راستہ۔" اس کی بے تکلفی کا انداز۔۔۔ عمائمہ کو تپا گیا۔

"اچھا ٹھیک ہے میں اپنی بکواس بند کر لیتا ہوں۔۔۔ لیکن آج تم ہر حال میں میرے ساتھ شیرٹن چل رہی ہو۔۔۔ میں نے ڈنر کے لیے ٹیبل ریزرو کروا رکھی ہے۔" اب وہ گاڑی سے نیچے اتر آیا تھا۔

"انتہائی ڈھیٹ شخص ہو تم۔۔۔ میں تم سے کتنی بار کہہ چکی ہوں تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو۔"

"مانا کہ میں ایک نہایت ذلیل اور انتہائی آوارہ شخص ہوں لیکن تمہیں اپنے ساتھ رات گزارنے کی نہیں صرف ڈنر کی آفر کر رہا ہوں بولو میرے ساتھ ڈنر کرنے کی کیا قیمت وصول کرو گی۔" اب کے اس نے جیب سے چیک بک نکالی۔۔۔ اور سائن کرنے لگا "یہ لو Blank cheake ہے اس میں اپنی مرضی کا اماؤنٹ لکھو اور میرے ساتھ ڈنر کر کے کیش کرو۔۔۔ تمہیں زندگی میں کبھی کسی نے اتنا مہنگا کھانا نہیں کھلایا ہو گا لیکن آج میں تمہیں کھلا رہا ہوں۔"

اس شخص نے چیک سائن کرنے کے بعد عمائمہ کی جانب بڑھایا وحشت میں عمائمہ نے وہ چیک پھاڑ کر اس کے منہ پہ دے مارا۔

"پتا نہیں کیسی مائیں ہوتی ہیں جو تم جیسے غلاظت کے ڈھیروں بیج چوراہے میں ذلیل ہونے کے لیے پیدا کر لیتی ہیں جو ساری زندگی دوسروں کے لیے ایک عذاب بن کر خود ایک عذاب کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اچھا ہوتا اگر مجھ پر اپنا ٹائم ویسٹ کرنے کی بجائے تم یہ چیک کسی دو نمبر عورت کے لیے سائن کر لیتے، تھوکتی ہوں میں تم پر اور تمہارے اس چیک پر۔" مارے غصے کے۔۔۔ وہ بلا خوف خطر بول رہی تھی یہ جانے بغیر کہ اس شخص پر اس کے الفاظ کس طرح اثر انداز ہو رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

گھر میں ویسے تو کافی دنوں سے "صفائیاں" ہو رہی تھیں لیکن آج تو نسرین بیگم نے صبح سے ہی دوڑیں لگوا رکھی تھیں۔

"ارے کیوں میری بچیوں کو ہلکان کر رہی ہو؟ ہزاروں بار زوری اور حسان میاں آ چکے ہیں یہاں۔" صادق صاحب اسٹور سے چکر لگا کر گھر میں داخل ہوئے تو لڑکیوں کو جھاڑ پونچھ میں مصروف پایا۔

"صادق صاحب لڑکیاں چاہے اپنوں میں جائیں یا غیروں میں سسرال تو سسرال ہی ہوتا ہے۔۔۔ اور ویسے بھی آپ کو کیا پتا عورت کے سلیقے کا اندازہ اس کے گھر سے لگایا جاتا ہے۔ زینب ذرا اوپر والے کمرے کی جھاڑ پونچھ بھی کر لینا۔ کھانے کے بعد اگر زاویار نے آرام کرنا ہوا تو اوپر والے کمرے میں چلا جائے گا۔"

"جی امی۔" زینب نے بڑے کمرے میں رکھے فلور کشنز پر نئے کور چڑھاتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

آمنہ کچن میں پلاؤ اور کٹلس کے لیے چکن دھو رہی تھی۔ مٹن قورمہ نسرین بیگم پہلے ہی چولہے پر چڑھا چکی تھیں فاطمہ نے ابھی صحن دھویا تھا اب وہ اٹھ کر رہی تھی۔ نیچے والے کمروں کو نسرین بیگم برآمدے میں رکھے تخت پوش پر بیٹھی چاول صاف کر رہی تھیں۔

"اور امی میں کیا کروں؟" عمائمہ برآمدے کے ستون سے ٹیک لگاتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"تم صرف ایک کام کر لو۔" نسرین بیگم نے چشمے کی اوٹ سے اسے گھورا۔

"تم بس نہا دھو کر ڈھنگ سے اپنا حلیہ درست کر لو۔۔۔ تمہاری شادی کی تاریخ طے ہو رہی ہے آج۔" امی کے باور کرواتے انداز پر فاطمہ اور کچن میں گوشت صاف کرتی آمنہ زیر لب مسکرائیں۔

عمائمہ کو اپنا آپ عجیب سا لگ رہا تھا۔۔۔ صبح سے

فارینہ کے وقفے وقفے سے موصول ہونے والے SMS نے الگ جان کھا رکھی تھی۔

"اور ہاں کوئی فضول سا سوٹ نکال کر مت پہن لینا۔" اسے کمرے کی جانب پلٹتے دیکھ کر نسرین بیگم نے تنبیہہ کی۔

"امی آپ بتادیں۔۔۔ کون سا سوٹ پہنوں؟" اس نے پوچھ لینا مناسب سمجھا۔

"وہ جو اس مرتبہ عید پر فیروزی سوٹ سلوایا تھا تم نے وہی پہن لو بہت اٹھتا ہے تمہاری صاف رنگت پر۔"

انہیں مطمئن کرنے کے بعد وہ کمرے میں آئی اپنا سوٹ نکال کر بیڈ پر پھیلا' ساتھ میں نازک سی میچنگ جیولری نکال کر وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔۔۔ گو کہ اسے زاویار سے کوئی طوفانی محبت نہیں ہوئی تھی مگر ایک فطری سی حیا کا احساس اس کی بوجھل پلکوں کو اٹھنے نہیں دے رہا تھا۔

ایک دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ اپنی لمبی چوٹی کے بل کھولنے لگی کتنا شوق تھا اسے اسٹیپ کٹنگ کروانے کا۔۔۔ امی سے بارہا اجازت بھی لینی چاہی مگر ہر بار عمائمہ کو بری طرح سے ڈانٹ پڑا کرتی۔

"کوئی ضرورت نہیں بال کٹوانے کی۔۔۔ ایسے چوٹیلے اپنے شوہروں کی رضامندی سے پورے کرنا۔"

"کاش عمائمہ میرے بال بھی تم جیسے لمبے ہو جائیں۔" فاطمہ کمرے میں داخل ہوئی تو اس کے سلکی بالوں کی آبشار دیکھ کر حسرت سے بولی۔

"مجھ سے پوچھو نرا عذاب ہیں اتنے لمبے بال۔۔۔ نہاؤ تو بال سکھانا عذاب' روز چٹیا نہ کرو تو بال سلجھانا مصیبت!"

"کمال ہے جو چیز انسان کے پاس ہوتی ہے وہ کبھی اس کی قدر نہیں کرتا بالکل تمہاری طرح۔" فاطمہ نے جواب دیا ساتھ ہی وہ بستر جھاڑ کر نئی بیڈ شیٹ پھیلا رہی تھی۔

"ویسے تو ہر بیٹی کے والدین کو اس دن کا انتظار ہوتا ہے لیکن آج نسرین بیگم یوں لگ رہا ہے جیسے میری کوئی قیمتی چیز۔۔۔ میرے جسم کا کوئی حصہ مجھ سے جدا کرنے جا رہا ہو۔" صادق صاحب کے بھیگے لہجے نسرین بیگم نے نرمی سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"صادق صاحب بیٹیاں تو پرایا مال ہوتی ہیں والدین ساری عمر اس مال کی حفاظت کرتے ہیں اور پھر لے جانے والے۔۔۔ اصل مال کے ساتھ ڈھیروں سود (جہیز) لے کر چلے جاتے ہیں' کوئی ہم بیٹیوں والوں سے پوچھے' جن کے دل اور ہاتھ کیسے خالی ہو جاتے ہیں؟ اللہ عمائمہ کے بعد دوسری بچیوں کے بھی نیک نصیب جوڑے زری نے تو مجھے رشتہ پکا ہوتے ہی کہہ دیا تھا۔

ہمیں جہیز نہیں چاہیے وہاں وہی میں گھر سجا سجایا پڑا ہے باقی کپڑے اور زیور وغیرہ بنوالیں گے۔ آپ کو زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں دو سال پہلے میں نے پڑوس کی صفیہ کے ہاں ایک بڑی کمیٹی ڈال رکھی تھی وہ رقم بھی محفوظ ہے میرے پاس' باقی میں نے ایک دو اور جگہ بھی کچھ کمیٹیاں ڈال رکھی ہیں ضرورت پڑی تو وہ بھی مانگ لوں گی۔۔۔ آخر کھانے اور دینے دلانے میں بھی تو رقم درکار ہوگی۔"

"نسرین بیگم بلاشبہ میں ایک خوش نصیب انسان ہوں اللہ نے مجھے باپردہ صالح بیوی اور نیک پارسا بیٹیوں سے نوازا میرے بھائیوں کی بیویاں ان سے جھگڑتی ہیں انہیں حرام کمائی کمانے پر مجبور کرتی ہیں اور وہ ان کی خوشنودی کے لیے ایسا کر بھی لیتے ہیں۔۔۔ یوں حرام کا مال حق حلال کی برکت بھی ساتھ لے جاتا ہے میرے مولا کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہے یہ۔۔۔ اس نے مجھے میرے بھائیوں کی طرح دنیاوی مال کے لالچ سے بچا کر رکھا۔" صادق صاحب نے شکر کا کلمہ پڑھا۔ وفعتاً ڈور بیل کی آواز نے ان کی توجہ مبذول کی۔ نسرین بیگم کچن کی جانب چل دیں اور صادق صاحب اسٹک پر زور دے کر دروازے کی جانب بڑھے۔

"السلام علیکم! کیسے ہو بیٹا بڑے دنوں کے بعد چکر لگایا تم نے؟"

"سر کچھ دن کے لیے آؤٹ آف سٹی تھا۔ کل ہی واپس آیا ہوں بتائیے اب طبیعت کیسی ہے آپ کی؟"

"اللہ کا کرم ہے بیٹا۔۔۔ میں ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولتا ہوں۔" پروفیسر صاحب دروازہ بند کر کے ڈرائنگ روم کی جانب بڑھے جس کا ایک دروازہ گھر کے صحن اور دوسرا دروازہ باہر گلی میں کھلتا تھا۔۔۔ پروفیسر صاحب کے ہاں پردے کا سختی سے خیال رکھا جاتا تھا۔ اکثر ان کے اسٹوڈنٹ آتے تو باہر گلی والے دروازے سے ڈرائنگ روم میں آتے اور وہیں سے واپس چلے جاتے۔۔۔ صفدر اتنے برسوں سے ان کے ہاں اسٹور پر ملازمت کر رہا تھا لیکن اسے بھی گھر کے اندر بلا اجازت آنے کی کبھی جرأت نہ ہوئی تھی۔ یہی وہ نیک نامی تھی جو پروفیسر صاحب نے یہاں پچیس تیس سالوں میں کمائی تھی۔

"نسرین بیگم بھئی کہاں ہو۔۔۔؟ دردید بیٹا آیا ہے اچھی سی چائے بنوا کر بھجوائیے۔۔۔" صادق صاحب نے صحن میں کھڑے ہو کر آواز دی۔

"یہ اس وقت کون مصیبت بن کے آ گیا؟" زینب کا موڈ آف ہوا۔

"بری بات ہے زینب بیٹا۔۔۔ آنے والا اپنا رزق خود لے کر آتا ہے اور پھر اس بچے نے تمہارے بابا کی بیماری میں کوئی کم ساتھ نہیں دیا۔ اس گھر سے وہ ہسپتال کتنا دور ہے جہاں تمہارے بابا چیک اپ کے لیے جاتے ہیں اگر درید بھی کبھی کبھار نہ لے جائے تو دوائیوں کے ساتھ کرایہ ہماری کمر توڑ کے رکھ دے۔" نسرین بیگم کی تنبیہہ پر زینی چائے بنانے میں مصروف ہو گئی۔

فاطمہ اب دھلے کپڑے الماری میں رکھ رہی تھی عمائمہ پر نظر پڑی تو ٹھٹک گئی۔

"واؤ زبردست! عمائمہ تم پہلے سے کچھ زیادہ خوب صورت نہیں ہو گئی ہو؟"

"خیر خوب صورت تو میں شروع سے ہی تھی شاید ان دنوں تمہاری نظر کمزور ہوا کرتی تھی۔" عمائمہ نے چھیڑا۔

"اب اتنا بھی پھیلنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آج زاویار بھائی کے لیے تیاری ہے جب ہی اتنی اچھی لگ رہی ہو۔" فاطمہ مسکرائی۔

"بی سیریس فاطمہ۔۔۔ یہ بتاؤ زیادہ اوور تو نہیں لگ رہی ہوں۔" عمائمہ نے دوپٹہ شانوں پر پھیلاتے ہوئے پوچھا۔

"سچی بات بتاؤں بہت اچھی لگ رہی ہو تم۔" فاطمہ نے محبت سے اپنے بازو اس کے شانوں پر ٹکاتے ہوئے تعریف کی۔

فاطمہ صحن میں ابھرنے والی آوازیں سن کر عجلت میں باہر نکل گئی اور وہ ایک طویل سانس لے کر رہ گئی۔ رسمی بات چیت اور حال احوال سے فارغ ہونے کے بعد نسرین نے پوچھا۔

"زری یہ شمائل اور فائز ساتھ نہیں آئے کیا؟"

"آپا ان دونوں کے ایگزامز ہو رہے تھے اس لیے رکنا پڑا انہیں۔ ان شاءاللہ شادی میں ضرور شرکت کریں گے۔"

"چلو۔۔۔ اللہ کامیاب کرے انہیں۔" نسرین بیگم نے دعا دی۔

فاطمہ اس دوران سوفٹ ڈرنک سرو کر چکی تھی اس سارے ماحول میں زاویار قدرے چپ چاپ بیٹھا عمائمہ کی آمد کا انتظار کر رہا تھا اس نے گلاس بے دلی سے لبوں سے لگایا نظریں بے اختیار دروازے کی جانب اٹھیں اور پھر دیکھتا ہی رہ گیا۔ قدرے نروس سی عمائمہ صادق کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

"ماشاءاللہ۔۔۔ اللہ نظر بد سے بچائے میری بیٹی تو اور بھی پیاری ہو گئی ہے۔" زری خالہ نے اس کے ماتھے پہ بوسہ ثبت کیا۔ زری خالہ کے بعد حسان خالو نے بھی اس کے سر پہ شفقت سے ہاتھ پھیرا۔

"عمائمہ یہاں آؤ میرے پاس۔" زری خالہ نے اس کے لیے اپنے ساتھ جگہ بنائی۔۔۔

"شمائل اور فائز تمہیں بہت یاد کر رہے تھے ایگزامز کی وجہ سے ہمارے ساتھ نہیں آ سکے۔ مگر دونوں نے تمہارے لیے گفٹس بھجوائے ہیں۔"

"گفٹس کی کیا ضرورت تھی خالہ ان دونوں کا پیار ہی بہت ہے میرے لیے۔"

"لو بھلا کیوں ضرورت نہیں تھی بھابی بننے جا رہی ہو ان شیطانوں کی 'چاؤ' سے بھجوائے انہوں نے۔" ان کی بات پر عمائمہ کی نظریں بے اختیار سامنے اٹھیں زاویار والہانہ انداز میں اسی کو دیکھ رہا تھا۔

نسبت طے ہونے سے پہلے اچھی خاصی وہ زاویار سے فرینک ہوا کرتی تھی کسی بھی معاملے میں وہ اس سے گائیڈنس لے لیا کرتی تھی۔

"نسرین میرا خیال ہے اب کھانا لگوا لو۔" صادق صاحب کی یاد دہانی پر نسرین بیگم اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"جی میں لگواتی ہوں۔"

"اور عمائمہ بیٹا تھیسس کیسے ہوئے ___ اس بار بھی ٹاپ کرنے کا ارادہ ہے یا ___ بس گزارا کرنے والی بات ہے؟"

"انکل انسان کا اپنی ذات پر یقین ہونا چاہیے محنت تو بہت کی ہے باقی صلہ دینے والی ذات اللہ کی ہے ___ آئی ہوپ رزلٹ بھی اچھا ہی آئے گا۔" پر اعتماد تو وہ شروع سے ہی تھی۔ زاویار نے مسکراتے لبوں سے اسے دیکھا۔

"صادق بھائی آپ والا جوش و جذبہ ہے ہماری بیٹی میں۔"

"ارے حسان میاں یہ تو میرا شیر جوان بیٹا ہے بچپن میں محلے کے لڑکوں کی پٹائی کر کے گھر آیا کرتی تھی۔ اور بے چاری نسرین ___ شکایتوں کے انبار سن سن کر نڈھال ہو جایا کرتی۔"

"پاپا میں تو ان لڑکوں کو یہ باور کروانے کی کوشش کرتی تھی کہ وہ لوگ یہ نہ سمجھیں ہمارا کوئی بھائی نہیں ہے۔" صادق صاحب کی بات اور عمائمہ کے وضاحت دینے والے انداز پر ماحول میں یکدم مسکراہٹوں کے تبادلے ہوئے۔ زاویار کو اپنی خوش نصیبی پر رشک آیا اسے ایک ایسی لڑکی مل رہی تھی جو ظاہر و باطن' شکل و صورت اور ذہانت میں یکتا تھی۔ کھانا نہایت خوشگوار ماحول میں کھایا گیا تھا۔ کھانے کے بعد لڑکیاں برتن سمیٹنے میں مصروف ہو گئی تھیں حسان خالو کی فرمائش پر فاطمہ نے چائے کا پانی چڑھا دیا تھا۔

"زاویار بیٹا تھک تو نہیں گئے؟ اگر چاہو تو تھوڑی دیر اوپر والے کمرے میں آرام کر لو۔" نسرین بیگم نے اس کے سامنے شادی کی بات چھیڑنے سے اجتناب کیا زاویار بھی غالباً "بھانپ گیا تھا۔

"جی بڑی خالہ میں ذرا ریسٹ کر لوں۔" اس کے جاتے ہی بڑوں میں شادی کی تاریخ کے حوالے سے تبادلہ خیال ہونے لگا۔

زاویار نے خالی صحن میں نظر دوڑائی اور کچن میں چلا آیا۔

"ہیلو گائز! کیسی ہو' دو سالوں میں تم سب تو ایک ہی سائز کی ہو گئی ہو۔ اور یہ چھٹکی تو کچھ زیادہ ہی بی اماں لگ رہی ہے۔" اس نے شرارت سے آمنہ کے سر پہ چپت لگائی۔

"ہاں تو جب آپ بوڑھے ہو رہے ہیں تو ہم جوان ہی ہوں گی نا؟" آمنہ کی حاضر جوابی پر وہ ہنسا۔

"آہم ___ ہماری ہونے والی زوجہ محترمہ نظر نہیں آ رہیں۔ اپنی جھلک دکھا کر کس مراقبے میں مصروف ہو گئی ہیں؟" اب کے اس نے رازداری سے پوچھا۔ تو جواب بھی اسے رازداری سے ملا۔ "آپی اپنے کمرے میں ہیں۔"

"کیا میں محترمہ کی خیر خیریت پوچھ سکتا ہوں؟" شوخ لہجے میں پوچھا گیا۔

"ویسے تو بڑے کمرے میں گول میز کانفرنس ہو رہی ہے موقع سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں تو اٹھا لیجیے۔" فاطمہ نے تسلی دی۔

"او کے گائز! دعائے خیر کرنا۔" متبسم چہرے کے ساتھ وہ باہر نکل گیا۔

عمائمہ بیڈ پہ بیٹھی کلائی سے کنگن اتار رہی تھی جو فاطمہ نے زبردستی ہی اسے پہنا دیے تھے۔ زاویار چپکے سے دروازے میں آ کھڑا ہوا۔

کاش میں تیرے حسیں ہاتھ کا کنگن ہوتا
تو بڑے پیار سے 'چاؤ' سے 'بڑے مان کے ساتھ
اپنی نازک سی کلائی میں چڑھاتی مجھ کو
وہ چند ثانیے یونہی متبسم و شریر انداز میں اس کے

بلش ہوتے چہرے کو دیکھتا رہا۔
"پتا ہے میں اس وقت کیا سوچ رہا ہوں؟"
"کیا سوچ رہے ہیں؟" اپنی تمام تر ہمتوں کو یکجا کر کے پوچھا گیا۔
"یہی کہ مجھے یوں دو سال کا گیپ نہیں دینا چاہیے تھا ـــ منگنی کی بجائے نکاح کروا کے تمہیں اپنے ساتھ لے جانا چاہیے تھا اور آج میں اور تم ـــ ممی، ڈیڈی کے مرتبے پر فائز ہو چکے ہوتے۔"
"آپ نے اپنی جاب کے متعلق تو بتایا ہی نہیں کیسی گزر رہی ہے؟" عمائمہ نے اس کے رومانس کو بریک لگاتے ہوئے ٹاپک چینج کیا۔ تو وہ ایک سرد آہ بھر کر رہ گیا۔
میں نے جب بھی اپنا بنانا چاہا اس کو
باتوں باتوں میں بات ٹال دی اس نے
"کیا ہو گیا ہے زاویار آپ کو پہلے تو آپ ایسے نہیں تھے۔" عمائمہ کے لب دھیرے سے مسکرائے۔
"اجی کیا بتائیں یہ "محبت" ہے ہی ایسی چیز ـــ وہ کہتے ہیں نا ـــ
اس کے دل پر بھی کڑی عشق میں گزری ہو گی
نام جس نے بھی محبت کا سزا رکھا ہے
"مگر میں نے تو کبھی آپ کو اس قسم کی سزا دینے کے بارے میں نہیں سوچا۔"
"ارے میری جان! جہاں محبت کا ذکر ہو وہاں اعتبار کی بات کرو بقول شاعر۔
تم مجھے موقع تو دو اعتبار بنانے کا
تھک جاؤ گی میری وفا کے ساتھ چلتے چلتے
زاویار کے پاس ہر بات کا جواب تھا۔
"کبھی کبھی مجھے تو سمجھ ہی نہیں آتا آپ کی باتوں کے جواب میں کیا کہوں؟" "سب سمجھ میں آجائے گا تم بس ایک کام کرو۔" لہجے میں بلا کی سنجیدگی تھی۔ عمائمہ نے حیرت سے اسے جواب طلب نظروں سے دیکھا۔
"کیسا کام؟"
"مجھ سے محبت کرو بالکل میری ہی طرح اور پھر دیکھو۔"
کبھی دل پر آنچ نہیں آتی کبھی رنگ خراب نہیں ہوتا
اب وہ اسے تنگ کرنے پہ اتر آیا تھا۔
"زاویار بہت خراب ہیں آپ" آپ تھوڑی دیر آرام کر لیں نا ـــ اور ویسے بھی اگر کسی کام سے امی باہر آ گئیں تو کیا سوچیں گی وہ؟"
"یہی کہ بھانجا اپنی ہونے والی بیوی سے عشق فرما رہا ہے وہ بھی چوری چھپے۔"
"جائیں آپ ـــ"
"اوکے جاتا ہوں لیکن پہلے یہ بتاؤ مجھ سے میرے ہی جیسا عشق کب فرماؤ گی ـــ؟"
"شادی کے بعد۔" زبان سے اچانک ہی سچ پھسلا۔
"تو پھر کل ہی بارات لے آؤں؟" وہ جاتے جاتے پلٹا۔
"پلیز جائیں ـــ" التجا ہوئی۔
"اچھا جا رہا ہوں۔" عمائمہ کے ماتھے پہ بل ابھرتے دیکھ کر اس نے جلدی سے کہا اور باہر نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

لاہور شہر سے باہر بیدیاں روڈ پر واقع ایم این اے مرزا فاروق کے فارم ہاؤس پر ہونے والی پارٹی اپنے عروج پر تھی۔ جہاں کئی نامی گرامی شریف النفس ـــ سیاست دان معروف صنعت کار، جاگیردار، بیوروکریٹ اور افسران اعلا شراب و شباب کے نشے میں دھت ـــ سرعام داد عیش میں مصروف تھے اسی پارٹی میں ارسل کے ساتھ اس کے معروف مل اونر والد بھی مدعو تھے جو اپنے بیٹے کی موجودگی کے باوجود بھرپور طریقے سے پارٹی کو انجوائے کر رہے تھے وہ سب سے الگ تھلگ قدرے پرسکون سے گوشے میں بیٹھا وہسکی کی چسکیاں لیتے ہوئے اس مغرور لڑکی کو سوچ رہا تھا جس نے منٹوں میں اسے دو کوڑی کا کر دیا تھا۔
ارسل ایک ریٹائرڈ جنرل کی بیٹی کے ساتھ ڈانس کرنے میں مصروف تھا۔ اچانک اس کی نظر ـــ سنی پڑی تھی جو کسی بھی پارٹنر کے بغیر قدرے ہٹ کر خالی

بیئر پینے میں مصروف تھا۔
"اوئے میری جان یہاں اکیلا کیوں اپنی جان جلا رہا ہے؟ کیا ہوا جو آج تیری وہ گرل فرینڈ نہیں آئی۔" وہ گلاس ہاتھ میں لیے ـــ لڑکھڑاتے لہجے میں بول رہا تھا۔
"آج کسی چیز کی طلب نہیں سوائے اس لڑکی کے، میری تشنگی اس کی ہمراہی کے پل ہی بجھا سکتی ہے۔" سنی نے ایک ہی سانس میں گلاس چڑھایا۔
"وہ جس نے میرے یار پر ـ ہاتھ اٹھایا تھا؟ کم آن میری جان دل چھوٹا نہ کر یہ تیرے یار کا وعدہ ہے تجھ سے کہ عنقریب وہ تیرے فارم ہاؤس میں تیرے ساتھ ہو گی۔ چل اب اٹھ اور اپنے لیے کوئی پری تلاش کر ورنہ تجھے اکیلا دیکھ کر مجھ پر بھی سستی کا دورہ پڑ جائے گا۔" ارسل نے اسے بازو سے پکڑ کر کھینچا تو وہ بھی اپنے دل کو تھپک کر اٹھ کھڑا ہوا۔ باقی کی رات مفت خوری میں عیاشی کرتے ہوئے گزر گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

شادی کی تاریخ رکھی جا چکی تھی بہت تھوڑے دن رہ گئے تھے۔ کوئی لمبا چوڑا جہیز تو بنانا نہیں تھا لیکن جو چھوٹی موٹی چیزیں خریدنا باقی تھیں اس کی خریداری ہو رہی تھی۔
صادق صاحب فضول رسموں، رواجوں کے قائل نہ تھے لہٰذا سب کچھ سادگی سے ہو رہا تھا۔ عمائمہ کے تمام اسٹوڈنٹ، کولیگز اس کے جاب چھوڑنے پر افسردہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی شادی کی خبر سن کر اسے وش بھی کر رہے تھے۔
جوں جوں شادی کے دن قریب آ رہے تھے عمائمہ اداس ہو رہی تھی اس گھر، والدین اور بہنوں سے کتنی یادیں وابستہ تھیں اس کی ـــ جنہیں بھلا کر اسے پردیس سدھارنا تھا۔ زری خالہ اپنے سسرال میں قیام پذیر تھیں وہیں سے بارات لانے کا ارادہ تھا ـــ شادی میں محض چند دن باقی رہ گئے تھے آج اسے مایوں کا سوٹ پہنا دیا گیا تھا۔ نسرین بیگم نے اس کے بالوں میں

ڈھیر سارا تیل ڈال کر چٹیا گوندھ دی تھی۔ اور کام کاج سے اسے روک دیا تھا اور وہ حیرت انگیز طور پر ان کی ہر بات بلا چون چرا مان رہی تھی۔

صفدر بے چارہ اسٹور کے ساتھ ساتھ شادی سے متعلق کاموں میں بھی ہاتھ بٹا رہا تھا۔ محلے والے بھی اس کام میں پیش پیش تھے۔ پروفیسر صاحب کی نیک نامی اور شرافت کا تو اک زمانہ گواہی دیتا تھا مگر ان کی باحیا، باکردار بیٹیوں کا چال چلن بھی روشن مثال کی طرح کسی سے پوشیدہ نہ تھا۔

پڑھائی کے علاوہ ان کے کوئی مشاغل نہ تھے نسرین بیگم کی جانب سے ان چاروں بہنوں کو آس پڑوس میں بھی بلاوجہ آنے جانے کی اجازت نہ تھی ایک واحد عمائمہ تھی جس نے امی کی ڈھیروں ڈانٹ پھٹکار سننے کے بعد پڑھائی کے ساتھ ساتھ ایک اکیڈمی بھی جوائن کر رکھی تھی۔

شادی میں چونکہ اب گنے چنے دن رہ گئے تھے سو تینوں بہنوں نے امی اور ابا سے اجازت لے کر ڈھولک منگوا لیا تھا۔ شام کو محلے کی عورتیں اور لڑکیاں آکر رونق لگا لیا کرتیں فاریہ نے اس دوران ایک بیسٹ فرینڈ کی تمام ذمہ داریوں کو بخوبی نبھایا تھا وہ فرسٹ ایئر سے اس کے ساتھ تھی۔

مایوں کے جوڑے میں پھولوں کا زیور پہنے ۔۔۔ عمائمہ صادق پر ٹوٹ کر روپ آیا تھا۔۔۔ رسم کے لیے فاریہ نے اسے صحن میں بٹھایا۔ تو سات سہاگنوں نے تیل مہندی لگا کر رسم کا آغاز کیا۔

صادق صاحب کے اسٹیٹس کانشس بھائیوں نے شادی کے کسی فنکشن میں شامل ہونا ضروری نہ سمجھا تھا اور نسرین بیگم کی بھی کوئی لمبی چوڑی رشتے داریاں نہ تھیں۔ لہٰذا چیدہ چیدہ لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ مہندی، ڈھولک، ابٹن گیتوں اور ہنسی کی جلترنگ سے صادق منزل کا آنگن مہک رہا تھا۔

نسرین بیگم آتے جاتے اسے دیکھ کر چپکے سے آنکھوں میں اتری نمی کو اپنے پلو میں جذب کرتیں اور کسی کام میں لگ جاتیں۔

صادق صاحب اندر بچیوں کے کمرے میں ان چاروں کے بچپن کی ہنستی مسکراتی تصویر پر نظریں جمائے ایک بار پھر بیتے وقت کی پرچھائیوں میں گم تھے۔

باہر رونق اپنے عروج پر تھی ڈھولک کی تھاپ اور گیتوں کی آواز اندر بیٹھے ایک مجبور و بیمار باپ کی آہوں سے بے خبر ملن رت کی ساعتوں کا انتظار کر رہی تھی۔

اچانک اس شور اور گہما گہمی میں ہلچل سی ہوئی اور ایک مردانہ آواز کے ابھرتے ہی ہولناک سناٹا چھا گیا تھا۔

"خبردار کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلے۔" یادوں کا دروازہ یکدم بند ہو گیا تھا۔ اور صادق صاحب ہوش کی دنیا میں واپس لوٹ آئے تھے مگر یہ کیا۔ ہوش کی دنیا ان کے ساتھ کیسا کھیل کھیل رہی تھی؟

☆ ☆ ☆

ابھری تھیں چند آوازیں کسی کے ماتم کی
بکھرے تھے کسی کے خوابوں کے ٹکڑے یہاں
سوگ کے عالم میں جاگی تھی وہ رات
سونی گلی میں بھٹکے تھے مفلس نوحے
آگ برساتا ہوا چڑھا تھا دن یہاں
اس گھر میں اترا تھا اجاڑ اور بنجر موسم
ایک پیاس تھی جو جم گئی تھی ہونٹوں پر
افسوس کے آنسو تھے جو آنکھوں سے بہہ بہہ کر
خشک ہو گئے تھے
ذلت کا اک طوفان تھا جو آکر گزر گیا تھا
سیاہ رات تھی جو اپنی سیاہی مل کر چلی گئی تھی
غموں کا بے چینی کا اک ساون تھا جس میں بھیگنا تھا
اب

گھنے جنگلوں کی ویران صداؤں نے جیسے اجڑے آنگن میں بسیرا کر لیا تھا۔۔۔ بے سبب دکھوں کے دریاؤں نے اس گھر کے راستے دیکھ لیے تھے سچائیاں ظلمت کی اندھیری چادروں میں سر چھپائے کہیں سو گئی تھیں۔

تلخیاں درد کے نشے کی طرح جسم و جاں میں اتر آئی تھیں۔ لمحوں کے پیڑوں پر خوشی کے گیت ۔۔۔ شاید

ہمیشہ کے لیے مر گئے تھے لیکن زندگی! وہ تو صادق منزل میں اب بھی کسی کونے کھدرے میں منہ چھپائے سانس لے رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

عمائمہ نے آہستہ آہستہ بوجھل پلکیں اٹھائیں۔۔۔ ذہن اب بھی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ رفتہ رفتہ اس نے ذہن پر زور دیا۔ ایک ڈراؤنا خواب دھند کی چادر میں لپٹا اس کے ذہن کے پردے پر نمودار ہوا۔ تو وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔

کمرہ نیم تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا بے اختیار ہاتھ گلے کی جانب اٹھا خوف کی ایک تیز لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی کو چھو گئی۔۔۔ گھبرا کر اس نے اپنا دوپٹہ تلاش کیا۔ دروازے کے قریب اسے اپنا دوپٹہ گرا ہوا نظر آیا تھا جسے عجلت میں اس نے اٹھا کر سر اور شانوں پر جما لیا تھا۔

پتا نہیں وہ کہاں تھی کمرے میں اتری تاریکی گزری رات کا حصہ تھی یا آنے والے دن کا انتظار۔۔۔ کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا اس نے چاروں اطراف نگاہ دوڑائی ۔۔۔ وہ قیمتی سامان اور سجاوٹ سے مزین کمرے کی واحد کھڑکی کی جانب بڑھی۔ مگر جلد ہی مایوسی کے عالم میں واپس پلٹ آئی۔ بھاگنے کے تمام راستے مسدود تھے وہ بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپ کر دروازہ پیٹنے لگی۔ دونوں کلائیوں میں بھری، ہری پیلی کئی چوڑیاں دروازہ پیٹنے کی وجہ سے ٹوٹ ٹوٹ کر اس کی کلائیوں میں کھبتی رہیں۔ مگر اندرونی اذیت کا احساس جسمانی اذیت کے احساس پر کہیں زیادہ حاوی تھا۔۔۔ کافی دیر ایسی کوشش کے بعد صدائیں خود بخود دم توڑنے لگیں اور وہ تھک ہار کر نیچے ہی بیڈ کی پائینتی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

کانوں میں شہنائیوں کی بجائے ماتم اور نوحے گونج رہے تھے۔ بے بسی اس کے گرد ناچ رہی تھی اور اس کی روح قفس میں پھڑپھڑاتے پرندے کی مانند اپنا سر پٹخ رہی تھی۔ دفعتاً دروازے پر آہٹ ہوئی۔ اور اس کے بے جان وجود میں ہلچل سی پیدا ہوئی۔

"اس ملک کی ہر گلی محلہ آوارہ کتوں سے بھرا ہوا ہے اور مجھ جیسے آوارہ کتوں سے تمہیں اچھی طرح سے نبٹنا آتا ہے یہی کہا تھا نا تم نے؟ تو پھر آج دیکھتے ہیں تم کیسے نبٹتی ہو مجھ سے۔"

کمرے میں وارد ہونے والا منحوس سا چہرہ دیکھ کر چند لمحوں کے لیے اس کی رہی سہی ہمت نے بھی جواب دیا تھا۔

"تم جیسے گھٹیا اور ذلیل انسان سے اور توقع بھی کیا کی جا سکتی ہے؟"

"آئم رئیلی امپریسڈ سویٹ ہارٹ! مجھے تمہاری ہمت، تمہارے اعتماد نے بہت متاثر کیا ہے۔" سنی نے دروازہ لاک کرتے ہوئے قہقہہ لگایا۔

"میں ایک عزت دار باپ کی عزت دار بیٹی ہوں۔ تم ایک چالاک شاپ کیپر کی طرح مجھے ایزی کسٹمر سمجھ کر اتنی آسانی سے نہیں لوٹ سکتے۔" عمائمہ کے مضبوط اور باوقار کرداتے انداز پر وہ مسکراتے ہوئے پلٹا۔

"اور رئیلی؟۔۔۔ ویسے میرا باپ بھی نہایت عزت دار اور شریف النفس سیاست دان تھا چار شادیوں کا شوق پورا کر لینے کے باوجود کئی مشہور معروف ٹی وی اداکاراؤں، ماڈلز اور نام نہاد شریف فلمسٹارز کو اس نے Keep بنا کر رکھا ہوا تھا وہ تو بھلا ہو میرے باپ کی ۔۔۔ اس ماڈل گرل کا۔۔۔ جس نے میرے باپ کے ساتھ تعلقات بنانے پر اس کی ڈھیروں جائیداد ہتھیا لی۔ پھر اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ مل کر وہسکی میں اسے کچھ ملا کے پلایا اور میرے باپ کو ہمیشہ کے لیے ایک میٹھی نیند سلا دیا ورنہ اب تک اس کی۔۔۔ بیویوں کی۔۔۔ اولادوں میں مزید اوروں کا اضافہ ہو چکا ہوتا۔۔۔

ویسے تم بے فکر رہو۔۔۔ میں اپنے ۔۔۔ بہن بھائیوں میں سب سے بے ضرر اور معصوم انسان ہوں چھین کر کھانے کی بجائے ہمیشہ پلیٹ میں سجا سجایا کھانے کا عادی ہوں اور اماؤنٹ ہمیشہ کھانے کے لطف کے مطابق دیتا ہوں لیکن اس بار تمہارے جوش و

خروش نے مجھے مجبور کیا کہ اب مجھے بھی لائف میں تھوڑا چینج لانا چاہیے اور یہ سب تمہارے غرور کی وجہ سے ہوا۔" سگریٹ کا دھواں ہوا میں چھوڑتے ہوئے وہ کرب ناک سے لہجے میں بولتا ہوا چند ثانیے کے لیے رکا۔

"تمہاری بہادری کا عملی مظاہرہ دیکھ کر میں نے پل بھر میں یہ فیصلہ کر ڈالا کہ تمہارے ساتھ کچھ وقت گزارا جائے تمہیں قریب سے دیکھا جائے کیا تھا اگر اس دن میرے ساتھ ڈنر کر لیتیں تم ___ اب تمہیں چھونے، تمہیں ہاتھ لگانے پر نہ جانے کتنے ہزار والٹ کا کرنٹ کھانا پڑے گا مجھے۔" سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے وہ اپنی ہی بات پر ہنسا۔

"یہ تمہاری سب سے بڑی بھول ثابت ہوگی ___ سنا تم نے؟" عمائمہ کے چناؤں جیسے مضبوط لہجے پر ___ وہ ایک بار پھر ہنسا۔

"سویٹ ہارٹ یہ دعوا تم خود میرے قریب آکر پورا کرو گی یا میں تمہارے قریب آؤں ___؟"

"شٹ اپ یو بلڈی باسٹرڈ۔"

"یہ شعلے اگلتے خوب صورت ہونٹ کبھی پھول برساتے کتنے بھلے لگتے ہوں گے؟" اس نے اپنی جینز کی جیکٹ اتارتے ہوئے خیال ظاہر کیا۔ عمائمہ نے دفاع کے لیے چاروں اطراف نگاہ دوڑائی۔

سائیڈ ٹیبل پر سوائے کانچ کے گلاس کے اسے کوئی چیز نہ ملی۔

"فار گاڈ سیک اب یہ گلاس اٹھا کر میرے سر پہ نہ دے مارنا۔ میں پاکستانی فلموں کے ولن کی طرح اتنی جلدی مرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

"آگے مت آؤ۔" گلاس پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے وہ غرائی۔

"تو تم آجاؤ ___"

"شٹ اپ ___" عمائمہ سائیڈ ٹیبل کے ساتھ گلاس کو ہلکی سی ٹھوکر سے توڑتے ہوئے چلائی۔

"میں نے کہا نا آگے مت آؤ ___ تم بہت پچھتاؤ گے۔"

اس نے نوکیلے گلاس کو اپنا ہتھیار بناتے ہوئے حتمی انداز میں دھمکی دی ___

"واہ کس چیز کو ہتھیار بنایا ہے تم نے بھئی مان گئے، ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔" سنی نے مسکراتے ہوئے گلاس کی جانب اشارہ کیا۔

ایک پل کے لیے اس کی نظریں ___ اپنے ہاتھ کی جانب اٹھی تھیں اور دوسرے ہی پل وہ سرعت سے اسے اپنی گرفت میں لے چکا تھا چھ فٹ سے نکلتے مرد کا ایک دھان پان سی لڑکی کو قابو کرنا کون سا مشکل کام تھا۔ وہ بھرپور مزاحمت کر رہی تھی۔

"اس ننھی سی جان میں اتنا دم خم؟ کس چکی کا آٹا کھاتی ہو؟" اس نے جھٹکے سے عمائمہ کا رخ اپنی جانب موڑا۔

ایٹن، تیل، مہندی کی ملی جلی خوشبو سنی کے نتھنوں سے ٹکرائی پیلے سوٹ میں وہ گیندے کے پھول کی طرح زرد ہو رہی تھی۔

"اچھی خاصی خوب صورت ہو تم ___ یہ تو تمہیں بار ہا بتایا ہوگا تمہارے فیانسی نے؟"

"تمہاری ماں، تمہاری بہنوں کے ساتھ اگر کوئی ایسا کرے تو کیا کرو گے تم ___؟" بے بسی سے اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

"میری ماں مجھے پیدا کرنے کے بعد اپنے روشن مستقبل کی تلاش میں آوارگی کے نئے جہان تلاشنے نکل کھڑی ہوئی تھی اور رہی بات میری سوتیلی بہنوں کی تو وہ خاصی لبرل اور سمجھ دار ہیں۔ ایسی سچویشن کو ایٹ کرنے کی بجائے اپنے بوائے فرینڈز کے ساتھ مل کے تمام معاملات طے کر لیتی ہیں اب اور تمہیں کتنی تفصیل سے بتاؤں؟" اس نے عمائمہ کو خود سے مزید قریب کیا۔

"لعنت ہو تم پر ___ مار پڑے اللہ کی تم پر جو تم جیسے شیطانوں کی رسیاں ڈھیلی کر دیتا ہے۔"

"کتنا اچھا لگ رہا ہے نا ___ تم ایک بے بس کبوتر کی طرح میری گرفت میں ہو میرے پاس ہیں جو چاہوں تمہارے ساتھ کر سکتا ہوں۔" اس کی سانسیں عمائمہ

کے گالوں سے ٹکرائیں۔

عمائمہ نے حقارت سے تھوک دیا "یہ اوقات ہے تمہاری ___ میری نظروں میں۔"

"یو ___ بلڈی بچ ___" سنی نے اسے دھکا دے کر نیچے پھینکا۔

"تمہارا ___ یہ اوور کانفیڈنس ___ یہ غرور آج مٹی میں نہ ملایا تو میرا نام بھی۔"

اس سے پہلے کہ سنی اسے دوبارہ دبوچ لیتا۔ عمائمہ نے تیزی سے ٹوٹے گلاس سے اپنی کلائی زخمی کر ڈالی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کا ہاتھ خون آلود ہو گیا خون تیزی سے نکل رہا تھا۔

"مائی گاڈ ___" سنی پر اب وحشت اور پاگل پن کی بجائے ایک نئی پریشانی سوار ہوئی۔ عمائمہ کی آنکھیں بند اور جسم بے جان ہو رہا تھا۔ سنی نے عجلت میں اس کے چہرے کو تھپکا۔

"میں تمہیں اب تک سمجھ نہیں پایا۔"

اس نے عمائمہ کی کلائی اپنے ہاتھ میں لے کر جائزہ لیا۔ زخم اچھا خاصا گہرا تھا۔

"پتا نہیں کیا چیز ہو تم۔" سنی بڑبڑاتے ہوئے سائیڈ ٹیبل پہ کچھ ڈھونڈنے لگا۔

"احمق، جاہل کسی ستی ساوتری کی اولاد ___ خوامخواہ ایک نئی مصیبت کری ایٹ کر دی میرے لیے۔" کلائی سے مسلسل خون بہہ رہا تھا۔ جب مسئلہ حل نہ ہوا تو سنی نے جلدی سے ارسل کا نمبر ملایا۔

"اوئے خبیث کہاں مر گیا ہے فون اٹھا۔" ارسل کال ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ سنی نے ری ڈائل کیا۔

"ہاں میری جان بڑی جلدی فارغ ہو گیا؟" ارسل کے لہجے میں حیرانی ہی حیرانی تھی۔

"یار ارسل اس لڑکی نے ہیروئن بننے کی کوشش میں خود کو زخمی کر لیا ہے۔"

"واٹ ___؟"

"اوئے بکواس انسان سچ کہہ رہا ہوں میں۔ اب بتا؟ میں کیا کروں اس لڑکی کا؟"

"یار سنی میں نے تو فون پہ اس لڑکی کے ہونے والے شوہر کو جتنا ہو سکتا تھا اس سے بدظن بھی کر دیا ہے۔"

"ارسل تو انتہائی کمینہ انسان ہے کیا ضرورت تھی اس کے فیانسی سے بکواس کرنے کی؟" وہ ارسل کی پھرتی پہ بل کھا کے رہ گیا۔

"اس سالی کی وجہ سے تو کتنا اپ سیٹ رہا تھا۔ میں نے تو تیرا بدلہ لیا ہے۔ اسے کہتے ہیں نیکی کر دریا میں ڈال۔"

"اچھا اب اپنی یہ فضول بکواس چھوڑ اور جلدی سے مجھے بتا میں کیا کروں؟"

"رگ تو بچ گئی ہے نا ___؟"

"پتا نہیں خون تو بہت بہہ رہا ہے۔" سنی کی نظریں ایک بار پھر اس کی کلائی کی جانب اٹھیں۔

"تیرے پاس فرسٹ ایڈ باکس تو ہے نا ___" ارسل نے استفسار کیا۔

"ہاں آئی تھنک ___"

"ایسا کر زخم صاف کرنے کے بعد بینڈیج کر دے ___ باقی میں کچھ دیکھتا ہوں۔ رات کے اس وقت کیا کیا جا سکتا ہے؟"

ارسل کی ہدایت کے بعد اس نے موبائل بند کیا اور جلدی سے باہر نکل گیا۔

"شوکت حسین ___ کدھر ہو۔"

"جی سنی صاحب ___؟"

"یہاں کوئی فرسٹ ایڈ باکس ہے؟"

"جی سنی صاحب، خیر تو ہے۔"

"خیر ہی تو نہیں ہے پتا نہیں اس ڈھیٹ مٹی سے بنی لڑکی کو کہاں سے اٹھا کر لائے ہو؟" سنی کو جھنجلاہٹ کے ساتھ غصہ بھی آ رہا تھا۔

"صاحب اچھے خاصے دین دار گھرانے کی لڑکی ہے۔" شوکت جیسے منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔

"تم کیسے جانتے ہو اس کے دین دار گھرانے کو؟" سنی کو حیرت ہوئی۔

"سنی صاحب جب میں ارسل صاحب کے کہنے پر اس لڑکی کے ___ میں دو چار دن جاتا رہا تو وہاں ہر

دوسرے شخص کی زبان پر اس لڑکی کے گھرانے اور والد کی نیک نامی اور شرافت تھی۔" شوکت حسین کی بات پر سنی کے ماتھے پر بل پڑے تو شوکت حسین نے جلدی سے وضاحت دی۔

"وہ جی مجھے ارسل صاحب نے کہا تھا میں کرائے دار بن کر اس محلے میں مکان ڈھونڈنے کا ناٹک کر کے اس لڑکی کا اتا پتا معلوم کروں ارسل صاحب آپ کو خوش کرنا چاہتے تھے میں نے چونکہ اس لڑکی کو دیکھ رکھا تھا اس لیے انہوں نے یہ کام میرے ذمے لگا رکھا تھا۔"

"مجھے تفصیل مت بتاؤ حسین تم سے یہ پوچھ رہا ہوں کہ لائے کس جگہ سے ہو اسے؟" شوکت نے جگہ کا نام لیا۔ تو وہ ٹھٹکا۔

"باپ کا نام کیا بتا رہے تھے تم؟" سنی نے بے چینی سے دریافت کیا۔

"وہ جی ..... کیا بھلا سا نام تھا۔ صادق۔ ہاں جی پروفیسر صادق نام تھا۔"

شوکت کے الفاظ تھے یا کوئی بم بلاسٹ ہوا تھا۔ نہ سر پہ آسمان رہا تھا نہ پیروں تلے زمین۔

"پروفیسر صادق؟" اسے حیرتوں کے بوجھ تلے چھوڑ کر خود شوکت حسین فرسٹ ایڈ باکس لینے چلا گیا تھا اور وہ ..... وہیں اسی جگہ ایستادہ تھا۔ بے یقینی کے منوں بوجھ تلے دبا ہوا۔

☆ ☆ ☆

ایک بار اس نے پروفیسر صاحب سے کہا تھا۔ "سر آپ زندگی کو سمجھنے کی بات کرتے ہیں۔ جو چیز آپ کو اتنا مجبور و بے بس کر دے کہ آپ کا اپنی ذات پر اعتماد ختم ہو جائے کیا پھر اسے سمجھنا اتنا آسان ہوتا ہے؟"

اس کی بات پر پروفیسر صاحب ہولے سے مسکرائے تھے "بے شک اسے سمجھنا آسان نہیں بقول شاعر

اک دن سوچیا سی زندگی توں سمجھے
پر نہ سمجھیا اپنے آپ توں

بیٹا انسان کی تلاش اس کی زندگی کے ساتھ جنم لیتی ہے کتنے آپشنز دیے گئے ہیں آدمی کو' کتنے راستے اس کے سامنے رکھ دیے گئے ہیں تاکہ وہ جو راستہ چاہے اختیار کر کے خود کو ڈھونڈ لے ..... وہ اچھائی کو چھوڑ کر برائی کی طرف جائے گا تو اس راستے پر اسے اچھائی نہیں ملے گی یقیناً" برائی ہی اس کا استقبال کرے گی۔

مجبوری اور بے بسی تب وجود میں آتی ہے' بُرے راستوں سے اچھے خوابوں کے نتیجے اخذ کرنا آپ کی ذات پر سے اعتماد ختم کر دیتا ہے ..... پھر زندگی لامحدود امکانات سے محدود ممکن میں داخل ہونے لگتی ہے کشادہ سڑکیں کم ہوتے ہوتے ایک تنگ گلی تک آجاتی ہیں۔ یہی وہ بے بسی ہوتی ہے یہی وہ لاچارگی ہوتی ہے ..... جہاں انسان نہ مڑ سکتا ہے نہ آگے جا سکتا ہے پھر اسے سمجھانا واقعی آسان نہیں ہوتا کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ہم زندگی میں ایسی سچویشن کریٹ ایٹ کرنے سے پہلے ہی اپنے دل میں اچھے اور برے راستوں کا تعین کر لیں .....؟"

ان کی باتیں اس وقت اسے بے معنی سی لگی تھیں کیونکہ اس وقت وہ زندگی کو رعایت دینے پہ شاید تیار ہی نہ تھا۔ لیکن آج ان کی باتوں نے حقیقت کا روپ دھار کر اسے ایک تنگ و تاریک گلی میں لا پٹخا تھا۔

وہ غائب دماغی سے عمائمہ کے زخم کو ڈیٹول سے صاف کرنے کے بعد بینڈیج کر رہا تھا نیم بے ہوشی میں عمائمہ کے لب بدبدا رہے تھے اس نے چونک کر عمائمہ کی بڑبڑاہٹ سننے کی کوشش کی اس کے لب بابا کا نام لے رہے تھے دل تھا کہ ندامتوں کے احساس سے بھیگا جا رہا تھا وہ ایک بار پھر اٹھ کر باہر گیا اور شوکت حسین کی بیوی کو بلا لایا۔ تاکہ وہ اسے دودھ وغیرہ گرم کر کے پلا دے۔

وہ عمائمہ کو بینڈیج کرنے کے بعد لاؤنج میں صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہا تھا۔

کچن سے کھٹ پٹ کی آوازیں آ رہی تھیں ....

فریج میں دودھ کے ڈبوں' کولڈ ڈرنکس' انواع اقسام کے جوسز کے علاوہ مختلف چیزیں رکھی تھیں ..... زلیخا نے چند دیسی انڈے ابالے ..... دودھ گرم کر کے گلاس میں ڈالا اور ایک ٹرے میں رکھ کر سنی صاحب کے بتائے کمرے کی جانب چل دی۔ جب وہ کمرے میں داخل ہوئی تو ایک دھان پان سی لڑکی بستر پہ بے بسی کی مکمل تصویر بنی نظر آئی۔ اسے اس قصے کا علم تو تھا ہی پر ساتھ ہی ساتھ زلیخا کو اس لڑکی پر بے اختیار ترس بھی آیا تھا وہ اسے ان فیشن ایبل لڑکیوں سے بہت مختلف لگی تھی جو اکثر سنی صاحب کی عیاشی کے لیے یہاں آیا کرتی تھیں۔

"اٹھو ..... بی بی ..... کچھ کھا لو۔" زلیخا نے دودھ کا گلاس اس کے آگے کیا۔ عمائمہ تکیے کا سہارا لے کر قدرے بیٹھنے میں کامیاب ہوئی۔

"کچھ نہیں کھانا مجھے ..... چلی جاؤ یہاں سے۔"

"بی بی تھوڑا سا کھا پی لو ..... پیٹ میں کچھ جائے گا تو اٹھنے کے قابل ہو گی۔"

"میں نے کہا نا ..... کچھ نہیں کھانا مجھے ....." وہ روتے ہوئے نقاہت بھری آواز میں چلائی۔ نہ جانے زلیخا کو اس سے اتنی ہمدردی کیوں ہو رہی تھی۔

"بی بی کیوں ظلم کر رہی ہو اپنے ساتھ۔"

"تو تم ایک نیکی ہی کر دو میرے ساتھ؟"

"بی بی آپ حکم کرو۔"

"تھوڑا سا زہر لا دو مجھے ..... اس ذلت کی زندگی سے مر جانا بہتر ہے میرے لیے۔"

"نہ بی بی ایسا مت کہو ..... لو یہ تھوڑا سا دودھ پی لو ..... صاحب بہت پریشان ہو رہے ہیں۔"

زلیخا نے گلاس اس کے لبوں سے لگانا چاہا تو عمائمہ نے ہاتھ مار کر غصے سے گلاس گرا دیا۔ نیم گرم دودھ بستر پر جو گرا سو گرا ساتھ زلیخا کے کپڑے بھی خراب ہو گئے۔

چند لمحوں کے بعد وہ سنی صاحب کے سر پہ کھڑی تھی۔

"صاحب وہ لڑکی تو کچھ بھی کھانے کو تیار نہیں ہے کہتی ہے زہر لا دو وہی کھاؤں گی۔ ورنہ ایسے ہی مر جانے دو مجھے" میں نے دودھ پلانے کی کوشش کی تو اس نے دودھ گرا دیا۔"

"ٹھیک ہے میں خود دیکھتا ہوں۔ تم ایسا کرو ایک گلاس اور گرم کر کے لے آؤ۔"

"جی صاحب ....." زلیخا ایک بار پھر کچن کا رخ کر چکی تھی۔

اور وہ ایک بار پھر عمائمہ کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ مگر ایک دوسرے روپ کے ساتھ۔

"تم کچھ کھا کیوں نہیں رہی ہو؟" عمائمہ نے اسے دیکھ کر نظرت سے نگاہیں پھیر لیں مگر بولی کچھ نہیں دماغ میں طرح طرح کے وسوسے اور اندیشے اٹھ رہی تھیں۔

"بے فکر رہو' میں نے مزید کچھ نہیں کیا ہے تمہارے ساتھ۔" اس کی بات پر عمائمہ نے سرعت سے اس کا سپاٹ چہرہ دیکھا۔

"یقین نہیں آ رہا ہے نا تمہیں؟" وہ اس کے قریب پائنتی پر بیٹھتے ہوئے نرمی سے بولا۔ عمائمہ نے ٹانگیں سمیٹتے جلدی سے اپنے اوپر لیا ہوا کمبل مزید گردن تک تاننے کی کوشش کی۔ اس کے انداز اس کی نظروں میں اب بھی خوف و بے یقینی تھی۔

"تم کس کی قسم لینا چاہتی ہو مجھ سے؟"

"اپنے اللہ کی؟" اس نے عمائمہ کی خوفزدہ نظروں میں جھانکا۔

"میں تمہیں تمہارے اللہ کی گواہی دیتا ہوں ..... تمہارے ہوش و خرد سے بے گانگی کے باوجود میں نے کچھ نہیں کیا تمہارے ساتھ اور نہ ہی میں مزید کچھ کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

پلیز اس یقین کے واسطے کچھ کھا لو ..... صبح میرے بندے تمہیں واپس چھوڑ آئیں گے۔" اس نے ٹرے اٹھا کر عمائمہ کے آگے رکھی۔ وہ خالی نظروں سے اس کے بدلے ہوئے لہجے کو دیکھ اور سن رہی تھی۔ ذہن تھا کہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ سر کے ساتھ پورے جسم میں درد سے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔

"تت..... تم سچ کہہ رہے ہو؟" عمائمہ کی بے یقینی و حیرانی پر اس نے فقط سر ہلانے پہ اکتفا کیا تھا۔

"یہ..... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ مجھے یقین نہیں آ رہا ہے..... تم مجھے واپس بھیج دو گے؟" عمائمہ کی ذہنی الجھنوں نے لفظوں کا راستہ ڈھونڈا۔

"بس یوں سمجھ لو کبھی کبھی چیزیں یوں بھی ہو جاتی ہیں واقعات یوں بھی ظہور پذیر ہو جاتے ہیں اپنی وے تم یہ کھالو۔"

"مجھے کچھ نہیں کھانا ہے۔" وہ پھر رونے لگی۔

"پلیز یہ تھوڑا سا دودھ ہی پی لو۔"

"مجھے نہیں پینا ہے۔" وہی ضد۔

"میں نے قسم اٹھائی ہے صبح تمہیں تمہارے گھر بھجوا دوں گا۔ لو اب تو تھوڑا سا کھا پی لو۔" اس نے التجا کی۔

"مجھے دودھ اچھا نہیں لگتا۔" اس نے بے بسی سے کہا۔

"میں اس میں Bournvita ملا دیتا ہوں۔"

"تم مجھ سے اتنی ہمدردی کیوں کر رہے ہو؟"

"پتا نہیں....." اب کے غائب دماغی سے عمائمہ کو جواب ملا۔

"تم نے میری زندگی برباد کر دی ہے اب یہ ہمدردیاں مت کرو۔" اس کے آنسوؤں نے سٹی کو زیر کرنا شروع کیا۔

"غلطی ہو گئی مجھ سے۔"

"غلطی؟ تم اسے صرف ایک غلطی کہہ رہے ہو؟ میری ذات کو تم نے یقین و اعتبار کی دولت سے کنگال کر دیا اور تم کہہ رہے ہو غلطی ہو گئی تم سے؟ کون یقین کرے گا مجھ پہ..... میں کس کس کو اپنے اعتبار کی قسمیں دوں گی؟" وہ سسک سسک کر رو رہی تھی۔

اسے عورت کے فریبی آنسوؤں سے بڑی نفرت تھی۔ مگر آج دل کو کچھ ہوا تھا۔

"بابا تو جیتے جی مر گئے ہوں گے..... اور امی تو دنیا کے ظالم سوالوں کو سہہ سہہ کر ہی ختم ہو جائیں گی فاطمہ، زینی اور آمنہ کیسے سامنا کریں گی اس فریبی دنیا کا؟ اور میں....." وہ خود سے باتیں کرتے ہچکیوں سے رو رہی تھی..... صبح ہونے میں چند گھنٹے باقی تھے..... وہ چپکے سے ندامت کا احساس لیے وہاں سے اٹھ گیا۔

☼ ☼ ☼

صبح کے چھ بج رہے تھے درختوں سے اب بھی رات کی تاریکیاں لپٹی ہوئی تھیں۔ دھند کی چادر میں چھپی دسمبر کی ٹھنڈی ہوائیاں سرگوشیاں کر رہی تھیں اس شخص کے آدمی با حفاظت عمائمہ کو گھر کے دروازے پر اتار کر جا چکے تھے جہاں واپس آنے کے لیے پاؤں کبھی اتنے بھاری نہیں ہوئے تھے زمین پر یوں کبھی وسوسوں کا عذاب نازل نہ ہوا تھا ہاتھ کبھی ڈور بیل تک جاتے ہوئے کانپے نہ تھے۔

دروازہ کس نے کھولا تھا اسے نہیں پتا تھا..... وہی گھر تھا جس کا آنگن جانے کیوں بدلا ہوا لگ رہا تھا۔ جیسے کسی آندھی طوفان کے بعد سب کچھ بکھر جاتا ہے۔ اجڑ جاتا ہے خاموش دل کے آنگن میں ہر طرف صدائیں گونج رہی تھیں۔

یہیں پہ تھا میرا بچپن
یہیں کہیں پر تھا
یہیں ہنسا تھا یہیں پر کہیں رویا تھا
یہیں درختوں کے سائے میں تھک کے سویا تھا
یہیں پہ کھیل تھے میرے یہیں گھروندے تھے
یہیں پہ چوڑیوں سے نام کاڑھ لیتے تھے
یہیں پہ تتلیوں سے رنگ چھان لیتے تھے
یہیں پہ تھا وہ لڑکپن یہیں کہیں پر تھا
یہیں پہ ماں نے اک بار کان کھینچے تھے
یہیں پہ بابا نے مجھے سینے سے لگایا تھا
انہی جھروکوں سے کبھی چاند جھانکتا تھا مجھے
یہیں کہیں پہ خواب دیکھنا سیکھا
یہیں پہ تھا میرا بچپن یہیں کہیں پر تھا

لیکن اب..... سب کچھ نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ بچپن، اس کی ہنسی، درختوں کے سائے، چوڑیاں،

خواب، تتلیوں کے رنگ، جگنوؤں کی باتیں، بارشوں کی رم جھم سب غائب ہو گئے تھے اس گھر سے آنگن سے..... اب تو اک ہجوم تھا۔ گھر جیسے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اجنبی لوگوں سے..... وہ کوئی تماشا تھی یا بن گئی تھی..... اسے لگا اس کے اردگرد آس پاس..... بھانت بھانت کے اجنبی لوگوں کا اک ہجوم لگتا جا رہا تھا۔

بڑے کمرے کے کونے میں اسے بابا دکھائی دیے جن کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں شاید..... اور امی یوں لگ رہا تھا جیسے برسوں کی بیماری سے اٹھی ہوں۔ فاطمہ، زینب اور آمنہ..... اس انہونی کے اثر سے نہیں نکل رہی تھیں کہ عمائمہ کو دیکھ کر چلائیں۔

"آپی!..... آپ ٹھیک ہیں نا کہاں تھیں آپ..... کون تھے وہ لوگ؟ اور کیسے آ گئیں آپ؟" وہ تینوں طرح طرح کے سوالات کر رہی تھیں۔ وہ گم سم انداز میں سب کچھ نظر انداز کرتی بابا کی جانب بڑھی۔

"بابا....." وہ تڑپ کر ان سے لپٹی کتنے ہی لمحے زار و قطار روتی رہی صادق صاحب تو جیسے پتھر کے ہو چکے تھے۔

نسرین بیگم کی ویران نظریں بیٹی کے اجڑے نصیبوں پر جمی ہوئی تھیں بابا کے بعد وہ کتنے ہی پل ماں کی گود میں سر چھپائے سسکتی رہی اور تمام واقعہ ان کے گوش گزار کرتی رہی.....

"عجیب کہانی ہے، جو کم از کم میری سمجھ میں تو نہیں آ رہی۔" زری خالہ کا لہجہ ہی نہیں انداز بھی خاصا اکھڑا ہوا تھا۔

"تمہاری سمجھ میں تو اکثر بہت سی چیزیں نہیں آتیں۔" حسان خالو نے بیوی کو ڈپٹتے ہوئے معاملے کو سلجھانے کی کوشش کی۔

"زری بہن عزت کا معاملہ ہے..... خدارا سمجھنے کی کوشش کریں۔" اس سارے واقعے میں پہلی بار صادق صاحب کی التجاؤں سے آزاد ہوئی۔

"بھائی صاحب ہم کیا سمجھیں؟ یہ چیز تو آپ کی بیٹی کو سمجھنی چاہیے تھی۔ کیا ضرورت تھی عمائمہ کو اس لفنگے سے الجھنے کی؟ نہ یہ تھپڑ مارتی اور نہ یہ نوبت آتی۔" زری خالہ کے تو مزاج ہی بدلے ہوئے تھے کہاں وہ شفقت اور کہاں یہ بے رخی۔

"بیٹا نام پتا تم نہیں جانتی ہو۔ جگہ وغیرہ کا تمہیں علم نہیں ہے یہ بتاؤ کوئی بدتمیزی وغیرہ کوئی برا سلوک تو نہیں کیا نا ان لوگوں نے تمہارے ساتھ۔" حسان خالو کے استفسار پر اس کا جھکا ہوا سر مزید جھک گیا تھا۔

"نہیں....."

"حسان میاں یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ لوگ؟" صادق صاحب کا دل کٹا۔

"بھائی صاحب ایسے معاملات میں ایسے ہی کھل کر بات چیت ہوتی ہے۔ آنکھوں دیکھی مکھی بھلا کون آسانی سے نگلتا ہے؟" سگی بہن کے یہ الفاظ سن کر نسرین بیگم کا کلیجہ پھٹنے لگا۔

صادق صاحب اپنی لاڈلی بیٹی پر لگ جانے والے اس دھبے پر گیلی لکڑی کی طرح اندر ہی اندر سلگنے لگے۔

"آپا میری بات کا برا مت منائیے گا پر ایک بات زبان پر لانے کے لیے مجبور ہوں بیٹیوں پر اعتماد کرنا اچھا ہوتا ہے مگر انہیں اتنا اعتماد دینا اچھا نہیں ہوتا۔ میرے تو سسرال میں تماشا بن گیا نا میرا؟ کتنے چاؤ سے بھانجی لانے چلی تھی کیسی منہ کی کھانی پڑی..... کل سے اپنی جٹھانی کے یہ طعنے سن رہی ہوں..... اور میرا بیٹا بے چارہ منہ چھپائے لوگوں کی باتوں اور نظروں سے چھپتا پھر رہا ہے..... کیا جواب دے لوگوں کو کہ ہونے والی بیوی کیوں اغوا ہوئی؟ اصل چکر کیا تھا؟ کس لڑکے کو دو سال سے اپنے پیچھے لگا رکھا تھا عمائمہ نے؟ اٹھو حسان صاحب مجھے تو یہ تھپڑ شپڑ کا قصہ بھی نرا ڈرامہ ہی لگ رہا ہے..... رات اس لڑکے کا فون آیا تھا زادیار کو..... کہہ رہا تھا ڈیل کر اس کرنے کی سزا دے رہا ہوں عمائمہ کو تو یہ کیا سوچ اور کیا نکلتی ہیں یہ آج کل کی لڑکیاں!" زری خالہ نے دہائی دی۔

"بس کرو زری بہن ہماری برداشت کا اتنا کڑا امتحان نہ لو۔ مجھے اپنی بیٹی پر اتنا یقین ہے کہ اگر میری بیٹی کو اپنی عزت و ناموس بچانے کے لیے اپنی جان بھی دینی پڑتی تو یہ اس سے بھی دریغ نہ کرتی آپ لوگوں کو اگر یہاں سچ

کی کنجی نہیں مل رہی تو برا • مہمانی یہاں مزید کوئی تماشا لگانے کی بجائے خاموشی سے جا سکتے ہیں آپ لوگ؟"

صادق صاحب کی برداشت اب جواب دے چکی تھی۔ لہٰذا پھٹ پڑے۔

"اے لو۔۔۔ اسے کہتے ہیں الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے ۔۔۔ اٹھیے حسان صاحب۔۔۔ اور چلیے یہاں سے بہت ہو گئی ہماری بے عزتی!" زری خالہ زخموں پر نمک چھڑکنے کے بعد وہاں رکی بھی نہیں تھیں۔

اب کمرے میں کل تین لوگ رہ گئے تھے۔ جن کے گرد و پیش رسوائی طوفانی ہواؤں کی طرح ناچ رہی تھی۔

وہ پر اعتماد عمائمہ صادق چند لمحوں میں تماشا بن گئی۔ زری خالہ کی باتیں تھیں یا دہکتے ہوئے کوئلے جن پر وہ ننگے پاؤں کھڑی تھی 'بھائی کا نہ ہونا' بابا کی بیماری' گھر کے حالات "آمدنی کم اور اخراجات زیادہ' ان سب چیزوں نے عمائمہ کو زندگی سے لڑنا سکھا دیا تھا وہ کسی بھی حالات میں وقت کے آگے بے بس نہیں ہوتی تھی۔ مگر یہاں 'اس مقام پر وہ بے بس ہو گئی تھی۔ چوبیس پچیس سالہ عمائمہ کو وقت نے چوبیس پچیس منٹوں میں کیا سے کیا بنا دیا تھا؟

☼ ☼ ☼

برباد شوار ہوتا ہے ذرا سا فیصلہ کرنا
کہ جیون کی کہانی کو بیان بے زبانی کو
کہاں سے یاد رکھنا ہے
کہاں سے بھول جانا ہے' کسے کتنا بتانا ہے
کسے کتنا چھپانا ہے' کہاں رو رو کے ہنسنا ہے
کہاں ہنس ہنس کے رونا ہے
کہاں آواز دینی ہے' کہاں خاموش رہنا ہے
کہاں رستا بدلنا ہے' کہاں سے لوٹ آنا ہے
برباد شوار ہوتا ہے ذرا سا فیصلہ کرنا

مگر زاویار حسان کے لیے یہ ذرا سا فیصلہ نہ تھا۔ محبت سسک رہی تھی لیکن اس کے اندر کے مرد کی انا؟ اس کا غرور' اس کی غیرت جاگ رہی تھی جو اسے پل پل زخموں' حقیقتوں سے آگاہی دے رہی تھی اور وہ تلخ حقیقتیں کسی طوفان کی طرح اتنی پر شور تھیں کہ بے چاری محبت اپنا ماتم کرتی بھی تو کیسے؟

عمائمہ اپنے کمرے میں گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹکائے ایک بت کی طرح ساکت تھی جیسے کوئی مسافر اپنی آخری ٹرین چھوٹ جانے پہ پلیٹ فارم میں تنہا رہ جائے۔ زاویار حسان نے آہستگی سے اس کے کمرے کی چوکھٹ پار کی۔ آج کمرے میں نہ کسی کے آنے کا ڈر تھا نہ جانے کا عمائمہ کے ساکت وجود میں کوئی ہلچل نہیں ہوئی تھی۔

زاویار نے لمحہ بھر کو عمائمہ صادق کو دیکھا۔

"اگر تمہاری زندگی میں پہلے سے کوئی موجود تھا تو مجھے یوں ذلیل کیوں کیا تم نے؟" زاویار کے الفاظ سامنے بیٹھی اس جھیل سی ساکت لڑکی کے اندر ہلچل مچا گئے تھے جیسے ٹھہرے پانی میں پتھر پھینکنے سے اچانک ارتعاش سا پیدا ہوتا ہے۔

"کیا آپ بھی ایسا سمجھتے ہیں؟" آواز میں بے یقینی حیرت افسوس تھا۔

"میرے سمجھنے سے کیا ہوتا ہے۔۔۔ رائی ہوتی ہے تو پہاڑ بنتے ہیں۔ کتنے خواب لے کر آیا تھا میں یہاں ۔۔۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ ان حسین خوابوں کو اتنی بھیانک تعبیر ملے گی۔ میں ہمیشہ تمہارے گریز' تمہاری جھجک کو تمہارے حیا سمجھ کر انجوائے کرتا رہا اور تم نے کیا کر دیا میرے ساتھ؟ کتنی محبت تھی مجھے تم سے۔" زاویار کا دکھ لہجے میں بولا عمائمہ جو غائب دماغی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ لفظ "تھی" پہ اس نے تڑپ کر احتجاج کیا۔

"محبت تھی؟"

"عمائمہ بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو دل میں ہماری زندگی کی ضرورت بن کر رہتی ہیں لیکن جب ضرورتیں دل کے درد کی صورت اختیار کر جائیں تو اس درد کو دور کرنے کے لیے ضرورتوں کو مارنا پڑتا ہے دل کے کونوں کو جھاڑنا پڑتا ہے ایک درد کو کم کرنے کے

لیے ایک دوسرے درد کی منزل سے گزرنا پڑتا ہے جیسے ۔۔۔ جیسے میں گزر رہا ہوں اس وقت۔" زاویار بہت مشکل سے بول رہا تھا۔

"آپ جو کہنا چاہتے ہیں کہہ ڈالیے۔" معاً عمائمہ کی آواز کسی گہری کھائی سے سنائی دی۔

"تمہیں دل سے نکالنا ممکن نہیں ہے میرے لیے لیکن۔۔۔" دل کی طرح چند ثانیے کے لیے زاویار کی آواز نے اس کا ساتھ چھوڑا "لیکن زندگی سے نکالنا مجبوری ہے میری۔"

عمائمہ کو لگا جیسے کسی نے بلندی سے اسے دھکا دے کر کسی کھائی میں گرا دیا ہو۔

"میں مان بھی لوں کہ تم اب بھی اپنے نام کی طرح عزت کا مینار ہو۔ مگر جس رسوائی سے تم لپٹ گئی ہو میں وہ رسوائی ساری زندگی کے لیے مول نہیں لے سکتا۔ میرا دل یہ مان بھی لے کہ تمہاری سچائی میں کسی جھوٹ کا کھوٹ شامل نہیں ہے لیکن میں ایک بزدل انسان ہوں جو دل میں محبت تو رکھتا ہے مگر اس کی مروانگی' اس کا غرور اس کی عزت نفس اسے اس جرأت کی اجازت نہیں دیتی کہ میں ساری زندگی صرف محبت کے سہارے لوگوں سے کٹ کے رہ جاؤں۔۔۔

میں صرف تمہاری سچائی کو ساتھ لے کر ڈھیروں لوگوں کی طنزیہ نگاہیں نہیں سہہ سکتا۔ میرا دل' میری محبت اگر زمانے سے تمہارے لیے لڑ بھی لے تو راہ چلتے کسی کی اس بات کو میں بھی سہہ نہیں پاؤں گا کہ میری بیوی کبھی ایک رات کے لیے کسی کی مستانی میں رہ کر آئی تھی۔ عمائمہ سوری ایگین میری محبت زمانے کے تند و تلخ سوالوں کے جواب نہیں دے سکتی۔"

وہ نم لہجے میں اپنی مجبور محبت کی داستان سنا رہا تھا اور عمائمہ کی پتھرائی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے۔

محسن جو بات بات پہ کہتا تھا مجھ کو جان
آخر مجھے وہ شخص ہی بے جان کر گیا

وہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھی مگر لفظوں کی ساری کہانیاں زاویار حسان کی بے بسی کے آگے بے بس ہو گئی تھیں۔ وہ کسے الزام دیتی خود کو' زاویار کو یا اپنی تقدیر کو؟

زندگی کی گاڑی اسے ایک ایسے اسٹیشن پر اتار چکی تھی جہاں وہ اترنا نہیں چاہتی تھی لیکن نا چاہتے ہوئے بھی عمائمہ کو سر جھکائے وہاں اترنا تھا۔

☼ ☼ ☼

دل پر ایسے بھی عذابوں کو اترتے دیکھا
ہم نے چپ چاپ اسے خود سے بچھڑتے دیکھا
یاد آجائے تو قابو نہیں رہتا دل پر
ورنہ دنیا نے بھی ہم کو تڑپتے دیکھا

اور پھر روایتی منگیتروں کی طرح وہ بھی اپنی مجبور محبت کے آگے اپنی انا و غیرت کا ٹانک کر کے چپکے سے اس کی زندگی سے نکل گیا۔ اور صادق منزل پر رسوائی' بدنامی کے ساتھ ایک گمبھیر خاموشی چھا گئی۔

پروفیسر صاحب اندر ہی اندر گھٹ گھٹ کر مر رہے تھے۔۔۔ لوگوں کی ظالم نظروں اور باتوں کی بدولت وہ ہفتے بھر سے باہر نہ نکلے تھے۔ نسرین بیگم اپنی سگی بہن کے ہاتھوں' اپنے مان اور حوصلے کی کرچیاں لیے محلے والوں کی جھوٹی ہمدردیوں میں چھپے تند و تلخ سوالوں' افسوس اور کریدنے کی اذیت سہہ سہہ کر نڈھال ہو رہی تھیں۔

فاطمہ' زینی اور آمنہ تقدیر کے اس بھیانک کھیل پر ازحد خوفزدہ تھیں۔۔۔ انہیں کالج و یونیورسٹی جانے کی ہمت نہ ہو رہی تھی اور وہ ذلت کی دلدل میں دھنسنے کے باوجود سانس لے رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

میرے لہجے میں جو آنسو سے اتر آئے ہیں
کتنے برسوں کے ستم آنکھ میں در آئے ہیں
اب ہمیں خوف ہے جینے کا نہ مرمٹنے کا
تیری چوکھٹ سے جو آئے ہیں تو مر آئے ہیں

وہ فارینہ کی گود میں سر رکھے چپ چاپ چھت کو گھور رہی تھی۔

"مجھے تو یقین نہیں آرہا ہے۔ زاویار بھائی بھی ایسا کر سکتے ہیں کہاں وہ محبت کے بانگ و بلند دعوے اور کہاں یہ اقدام بے یقینی؟"

"فاری! محبت خود فریبی کے سوا اور ہے ہی کیا؟ جھوٹے وعدے جھوٹی باتیں اور جھانسے۔" عمائمہ کے لب دھیرے سے ہلے۔

"کم از کم میں تو اس اقدام کو محبت نہیں کہہ سکتی ارے محبت تو وہ پاگل پن ہے جس کے سامنے زمانے کے سارے قائدے و قانون، نفع و نقصان اپنے معنی کھو دیتے ہیں۔ یہ کیسی محبت تھی جس کا وہ سال تک موصوف ڈھنڈورا پیٹتے رہے اور جاتے جاتے تمہاری جھولی میں اپنی برولی کے سکے ڈال کر چلتے بنے وہ صرف تمہارے حسن سے تمہاری ذہانت سے مرعوب تھے اگر تم سے محبت کرتے تو یوں بیچ راستے میں چھوڑ کر نہ جاتے۔" فارینہ اپنے دل کا غبار نکال رہی تھی۔

"اور وہ لفنگا بدبخت کسی کی زندگی جہنم بنا کر خود جانے کس جہنم میں واصل ہونے کے لیے رنگ رلیاں منا رہا ہوگا پتا نہیں ایسے لوگوں پر اللہ کی مار کیوں نہیں پڑتی۔" عمائمہ کسی ردعمل کے بغیر خاموشی سے اس کے القابات سن رہی تھی۔

"پریشان نہ ہو تمہیں زاویار سے اچھا لائف پارٹنر ملے گا۔"

"جو لڑکی ایک نامحرم مرد کے پاس ایک رات گزار کر آئی ہو۔۔۔ جس لڑکی کا ہونے والا لائف پارٹنر اسے لمحوں میں بے یقین بنا کر ریجیکٹ کر چکا ہو اسے کون قبول کرے گا فاری؟" اس کے لہجے کی سفاکی فارینہ کو اندر تک چیر گئی۔

"ہمیشہ تم ہی تو کہتی تھیں آزمائش کے راستے اللہ کے مومن بندوں کو ملتے ہیں اللہ پر ایمان رکھنے والوں کے لیے دونوں ہی طرح کی آزمائش سراسر خیر ہوتی ہیں، خوشی پا کر وہ اپنے رب سے شکر گزاری کے ذریعے وفا کا حق ادا کرتا ہے اور تکلیف میں صبر و استقامت کا مظاہرہ کر کے اجر حاصل کرتا ہے۔ اور یہ بات مومن کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔" فارینہ نے اس کے یخ ہوتے ہاتھوں کو اپنی گرم ہتھیلیوں میں لے کر دبایا۔

"تنی کڑی آزمائش؟ جو ساری زندگی کے لیے ایک کالک بن جائے؟ کیا پہلے زندگی میں ہمارے لیے کم آزمائشیں تھیں؟"

"ایسے مت کہو عمائمہ! تم تو خود حوصلہ بن کر انکل کو حوصلہ دیا کرتی تھیں آج خود اپنے ہی سامنے ہار رہی ہو؟ فاطمہ، زینب اور آمنہ کو دیکھو۔۔۔ کیسے چپ لگ گئی ہے انہیں۔"

"فاری یہی تو ندامت ہے، دکھ ہے، اذیت ہے کہ میری وجہ سے میری معصوم بہنوں کا مستقبل داؤ پر لگ گیا ہے بڑی بہن کی ذات سوالیہ نشان بن جائے تو چھوٹوں کو کون سچ سمجھ کر قبول کرتا ہے؟"

عمائمہ کے اندر اک ہوک سی اٹھی تھی۔۔۔ جو لبوں پر اک آہ بن کر ٹوٹ گئی تھی۔

"رات صرف رات ہی نہیں رہتی اپنے ساتھ ایک اجلا سویرا لے کر آتی ہے۔۔۔ یہی درس لیا تھا نا تم نے انکل سے؟" فارینہ نے یاد دلایا۔

"اس عمائمہ اور اس عمائمہ میں بہت فرق آگیا ہے اس عمائمہ کی جھولی میں اگر چند مشکلات تھیں تو ساتھ اپنی ذات اپنے کردار کی سچائی تھی اور اس عمائمہ کے ساتھ مشکلات کے علاوہ 'بدنامی' 'ذلالت' 'بے یقینی' کا طوق اس کے ساتھ ہے۔

اس عمائمہ کو والدین دیکھ کر جیتے تھے۔ اس عمائمہ کو والدین دیکھ کر روز مرتے ہیں۔۔۔ آج میری بہنیں کالج یونیورسٹی جانے کے نام سے ہولتی ہیں آج میرے بابا گھر میں قید ہو کر رہ گئے ہیں میری وجہ سے" آج میری ماں وقت سے پہلے ہار گئی زمانے کے سامنے، صرف میری وجہ سے نفرت سی ہونے لگی ہے مجھے خود سے، جی چاہتا ہے کہیں چھپ جاؤں بہت تکلیف دیتا ہے مجھے یہ روز روز کا مرنا۔۔۔ میں کیا کروں فاری؟ کچھ سمجھ نہیں آتا مجھے۔" وہ رو رہی تھی اور فارینہ کے پاس اب لفظ نہیں رہے تھے جن کو سہارا بنا کر وہ عمائمہ کو تسلی دیتی۔

☼ ☼ ☼

شام اپنے پنکھ پھیلا رہی تھی موسم خاصا ٹھنڈا ہو رہا تھا صبح سے نکلے چرند پرند اپنے گھونسلوں میں جانے کے لیے ٹولیوں کی صورت، واپسی کی طرف گامزن تھے وہ برآمدے کے تخت پر بیٹھی ان پرندوں کو دیکھ رہی تھی کسی بھی شال یا سویٹر کے بغیر حالانکہ گھر میں سب سے زیادہ ٹھنڈ اسی کو لگا کرتی تھی۔ مگر اب نہ گرمی کا احساس تھا نہ ٹھنڈ کا، مغرب کی اذان کب کی ہو چکی تھیں اور وہ تھی کہ اپنی جگہ سے ہلی تک نہ تھی۔

کچھ دنوں سے صادق صاحب کی طبیعت خراب تھی۔۔۔ وہ میڈیسن کے زیر اثر سو رہے تھے۔ نسرین بیگم نماز سے فارغ ہو کر یونہی باہر آئیں تو اسے ٹھنڈ میں بغیر سویٹر اور کسی گرم شال کے بغیر دیکھ کر دل بے اختیار تڑپ اٹھا تھا۔۔۔ کہاں پڑھنے اور پڑھانے کے علاوہ اس کے پاس ٹائم ہی نہیں ہوتا تھا اور اب کیسی فرصت نے اسے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

"عمائمہ میری بچی یہاں کیوں بیٹھی ہو؟"

"امی کیا آپ بھی زری خالہ کی طرح مجھے ہی قصوروار سمجھتی ہیں؟"

"نہیں میری بچی۔۔۔ یہ سب ہمارے نصیب میں لکھا تھا اور نصیب میں لکھا بھلا کون مٹا سکتا ہے؟ میری بچیوں کا کردار میرے سامنے ہے کوئی کچھ بھی کہے میں جانتی ہوں تمہارے بابا جانتے ہیں اور سب سے بڑھ کر وہ باریکت ذات جانتی ہے۔۔۔ میری بیٹی اپنے نام کی طرح پاک صاف ہے۔ اس سے بڑھ کر ہمیں کسی دوسرے تیسرے کی گواہی نہیں چاہیے۔۔۔!"

"آپ کو، بابا کو میری وجہ سے کتنی بڑی ذلت سہنی پڑی۔۔۔ میں خود کو معاف نہیں کر پا رہی ہوں۔" کسک لبوں سے آزاد ہوئی۔

"نہیں میری بچی۔۔۔ یہ سب اس اوپر والے کی رضا ہے اس کی آزمائش ہیں اس کا حکم ہے، جو ہمیں سہنے پر مجبور کر رہا ہے۔ اسے ہماری عبادتیں بہت پسند ہیں۔۔۔ اسی لیے اللہ نے اس کڑے امتحان کے لیے میری شریف النفس، پانچ وقت کی نمازی والدین کی فرماں بردار بیٹی کو چنا۔۔۔ بلاشبہ وہ ایک در بند کرتا ہے تو ستر در کھولتا ہے۔ جو ماں تہجد میں اپنی بچیوں کے نیک نصیب مانگے وہ اس مجبور ماں کو کیسے خالی ہاتھ لوٹا سکتا ہے؟ اور یہ کیا۔۔۔ ابھی تک تم یونہی بیٹھی ہو۔۔۔ نماز کا وقت نکلا جا رہا ہے اٹھو شاباش نماز پڑھو اپنے اور ہمارے لیے حوصلے اور صبر کی دعا کرو۔"

نسرین بیگم کے لہجے میں ممتا کی نرمیاں گھلی ہوئی تھیں وہ جانتی تھیں بیٹی کو حوصلے دینے کے لیے انہیں اپنے اندر حوصلہ یکجا کرنا پڑے گا۔ اور وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہوئی تھیں۔۔۔ عمائمہ نماز کے لیے وضو کر رہی تھی۔ صادق صاحب بھی اٹھ بیٹھے تھے سردی اپنے عروج پہ تھی چائے کی طلب نے انہیں اٹھا دیا تھا نسرین بیگم چائے چڑھانے کچن میں جا رہی تھیں جب ڈور بیل کی آواز نے ان کی سوچوں کا رخ موڑا تھا۔

انہوں نے دروازے کے قریب جا کر پوچھا۔

"کون ہے؟"

"جی پروفیسر صاحب ہیں؟"

"آپ کون ہو بیٹا۔۔۔؟"

"جی میں سید درید بخت!"

"آپ رکیے بیٹا میں صادق صاحب کو بھیجتی ہوں۔" اندر آکر نسرین بیگم نے اطلاع دی۔

"درید آپ کا پوچھ رہا ہے۔"

"میں دیکھتا ہوں۔۔۔ اس بار تو بہت دنوں کے بعد چکر لگایا ہے اس نے۔" صادق صاحب نے بستر کے قریب رکھی اپنی اسٹک پکڑی اور بستر سے اٹھے۔۔۔

"چیک اپ کا پوچھنے آیا ہوگا۔" انہوں نے نسرین بیگم سے کہا۔

"میں تو کہتی ہوں آپ درید کے ساتھ اس کی گاڑی میں جا کر اپنا چیک اپ کروا آئیں آج کل کچھ زیادہ ہی طبیعت خراب رہتی ہے آپ کی؟"

"جتنی سانسیں لکھی جا چکی ہیں تب تک تو جیسے تیسے زندہ ہی ہوں یہ روز روز اتنی لمبی مسافتیں طے کر کے ڈاکٹروں کے پاس جانا بھی ایک مصیبت بن گیا ہے بہرحال ذرا اچھی سی چائے بھجوائیے۔"

پروفیسر صاحب ڈرائنگ روم کی جانب بڑھ گئے۔

صادق صاحب نے دروازہ کھولا۔ درید بخت نے آگے بڑھ کر ہاتھ ملایا۔
درید کو وہ پہلے سے کافی نحیف و کمزور دکھائی دیے۔
"بہت دن بعد آئے ہو۔ خیر تو ہے نا بیٹا؟" انہوں نے شفیق لہجے میں استفسار کیا۔
"سر بزنس کے سلسلے میں دبئی گیا ہوا تھا۔ اس لیے جلدی چکر نہیں لگا سکا ـــ آپ سنائیں میڈیسن تو لے رہے ہیں نا؟"
"بس بیٹا زندگی آزما رہی ہے اور ہم صبر سے سہہ رہے ہیں۔ یہ بھی مولا کا کرم ہی ہے وہ کہاں ہر کسی کو آزماتا ہے؟ بیٹی کی شادی طے کر دی تھی ساری تیاریاں مکمل تھیں لیکن شادی سے محض چند دن پہلے سب کچھ ختم ہو گیا۔" صادق صاحب کی آنکھوں میں آنسو چمکے اور آواز ڈولنے لگی۔
"جی سر مجھے پتا چلا ہے ..... بہت افسوس ہوا۔" سید درید بخت احترام سے ان کے سامنے بیٹھا تھا۔
"بے شک وہ فرماتا ہے۔ اس نے موت اور زندگی کو اس لیے پیدا کیا کہ تمہارا امتحان لے ـــ اولاد کا امتحان بہت کڑا ہوتا ہے اب تو بیٹا اللہ سے یہی دعا کرتا ہوں، مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک میرے زندہ رہنے میں بھلائی ہو اور مجھے اس وقت موت دے جب موت میرے لیے بھلائی ہو ..... بہرحال تم سناؤ کیسی گزر رہی ہے کاروبار کیسا چل رہا ہے؟"
"سر دعائیں ہیں آپ کی اچھی بھلی بس گزر ہی رہی ہے۔" درید بخت کے لہجے میں لاچارگی تھی۔
"بیٹا چار چیزیں جس شخص کو مل جائیں اسے دنیا اور آخرت کی ہر بھلائی مل جاتی ہے ـــ اللہ کی نعمتوں پر شکر سے معمور دل اللہ کا ذکر اور چرچا کرنے والی زبان، مصیبتوں کو سہنے والا جسم اور ایسی بیوی جو شوہر کے مال کی حفاظت کرتی اور عصمت کے ساتھ زندگی گزارتی ہو۔ دریدبیٹا اچھی عورت زندگی اور آخرت کو سنوار دیتی ہے تمہاری زندگی میں کسی چیز کی کمی نہیں سوائے نیک بیوی کے، بندہ بہت سی برائیوں سے بچ جاتا ہے اور پھر تمہیں تو بہت پہلے یہ اقدام اٹھا لینا چاہیے تھا۔"
وہ بہت نرمی سے بول رہے تھے۔
"سر میں آج کل سوچ رہا ہوں شادی کے متعلق۔"
"یہ تو بہت اچھی بات ہے ماشاءاللہ۔"
"سر دل کی بات زبان پر لاتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ نہ جانے آپ کیا سمجھ بیٹھیں۔" وہ ہچکچایا۔
"بیٹا میں کچھ سمجھا نہیں ـــ؟" صادق صاحب نے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔
"سر اگر آپ برا نہ منائیں تو ـــ تو کیا میں اپنے رشتے کے لیے اپنی تائی جان کو بھیج سکتا ہوں یہاں؟" سید دریدبخت ڈرتے ڈرتے دل کی بات زبان تک لایا۔
پروفیسر صاحب کے لبوں سے ایک طویل سانس خارج ہوا وہ متامل تھے۔
"سر میں جانتا ہوں شرافت اور نیک نامی آپ اور آپ کے گھر کا تعارف ہے آپ کی جس بیٹی کی شادی ٹوٹی ہے میں انہیں اپنانا چاہتا ہوں کسی مجبوری یا ہمدردی کے تحت نہیں ـــ آپ اور آپ کے گھر سے تعلق جوڑنا میرے لیے اعزاز ہو گا۔" وہ دھیرے دھیرے اپنے دل کا مدعا بیان کر رہا تھا اور سامنے بیٹھے پروفیسر صاحب اللہ کی نوازشات پر اندر ہی اندر سیراب ہو رہے تھے۔
"بیٹا تم جب چاہو انہیں لا سکتے ہو ـــ"
"سر آپ تو جانتے ہیں میرے والدین کے متعلق، تائی جان ہی میری ماں بھی ہیں اور باپ بھی۔" وہ بولتے ہوئے رکا۔
"میں جانتا ہوں درید بیٹا وہ جب مناسب سمجھیں آجائیں۔"
"بہت شکریہ سر آپ نے مجھے اس قابل سمجھا مجھے یہ مان دیا۔" وہ مشکور ہوا۔
"اللہ تمہیں آباد رکھے۔ زندگی کا حقیقی سکون عطا کرے۔" صادق صاحب نے دعا دی۔
"سر اب مجھے اجازت دیں چلتا ہوں میں۔"
"ارے بھئی چائے بن رہی ہے۔"
"نہیں سر پھر سہی۔ ابھی مجھے گاؤں کے لیے نکلنا ہے پہلے آپ کی رضامندی لینا مقصود تھا سوچا پھر گاؤں

جا کر تائی جان کو لے کر آؤں گا۔" درید کے چہرے پہ دھیمی سی مسکراہٹ ابھری اور وہ اٹھ کھڑا ہوا۔
"اچھا بیٹا اللہ نگہبان۔۔۔ خوش رہو۔"
درید اجازت طلب کر کے چلا گیا تھا اور پروفیسر صاحب۔۔۔ اب بھی وہیں بیٹھے تھے نسرین بیگم نے ڈرائنگ روم کا دروازہ بجایا۔
"آجاؤ نسرین بیگم۔۔۔ دربد جا چکا ہے۔"
"آج اتنی جلدی چلا گیا؟ آپ نے روکا ہوتا چائے بن رہی تھی۔"
"دراصل آج وہ کچھ جلدی میں تھا گاؤں جا رہا تھا۔" پروفیسر صاحب کے لبوں پہ مسکراہٹ ابھری۔
"اچھا۔۔۔" نسرین بیگم نے چائے کی ٹرے ٹیبل پہ رکھی۔
"اب پوچھو کیوں؟" اتنے دنوں کے بعد پروفیسر صادق کی آواز میں خوشی کے رنگ سنائی دیے تھے۔ نسرین بیگم حیرانی سے انہیں تکنے لگیں۔
"آپ ہی بتا دیجیے نا۔"
"دربد بخت اپنی تائی جان کو اپنے رشتے کے سلسلے میں یہاں لانے کی اجازت مانگ رہا تھا۔۔۔ اپنی عمائمہ کے لیے۔"
"اے مولا تیرا شکر ہے۔۔۔ پھر آپ نے کیا کہا؟"
"او نیک بخت! میں نے کیا کہنا تھا یہی کہا کہ جب چاہو لے آؤ۔"
"صادق صاحب میں تہجد میں رو رو کر اللہ سے عمائمہ کے لیے دعائیں کرتی تھی۔ دیکھ لیں آج وہ دعائیں قبول ہو رہی ہیں۔" نسرین بیگم نے اپنے دوپٹے سے آنسو صاف کیے۔

☼ ☼ ☼

بہت دنوں کے بعد فاطمہ یونیورسٹی اور آمنہ کالج جانے کی تیاری کر رہی تھی زینب چونکہ آج کل فارغ تھی سو نسرین بیگم کے ساتھ ناشتے میں ان کی مدد کروا رہی تھی۔۔۔ عمائمہ فجر کی نماز کے بعد یونہی بستر میں سستی سے گھسی ہوئی تھی۔
"عمائمہ اٹھو ناشتا کر لو۔۔۔ سچ بابا کی فرمائش پر امی نے کیا غضب کے آلو والے پراٹھے بنائے ہیں۔"
فاطمہ ناشتے سے فارغ ہو کر کمرے میں آئی تو عمائمہ کو کسلمندی سے لیٹے دیکھ کر بولی۔
"بھوک نہیں ہے مجھے ابھی تھوڑی دیر تک اٹھ کر چائے پی لوں گی۔"
"حالت دیکھی ہے اپنی؟ کتنی کمزور ہو رہی ہو۔ اوپر سے کلائی کا زخم بھی ٹھیک نہیں ہو رہا اگر یونہی رہیں تو ایک دن یقیناً" اللہ کو پیاری ہو جاؤ گی۔" فاطمہ نے ڈپٹتے ہوئے اس کے اوپر سے کمبل کھینچا۔
"اس ذلت سے تو تم سب کی جان چھوٹ جائے گی نا۔۔۔"
"بکو مت، ورنہ ابھی بابا کو بتاتی ہوں کیا بکواس کر رہی ہے آپ کی لاڈلی بیٹی!"
"آبی! آپ کو بابا بلا رہے ہیں کہہ رہے ہیں اپنی پسند کا ناشتا میں اپنی بیٹی کے ساتھ کروں گا۔" آمنہ دروازے میں کھڑی صادق صاحب کا پیغام دہرا رہی تھی۔
"اٹھیے، جناب آپ تو خوش قسمت ہیں ایک ہم ہیں۔۔۔ نہ امی کے لاڈلے نہ بابا کے۔" فاطمہ نے لہجے میں دنیا جہاں کا درد سمویا۔ عمائمہ اٹھتے ہوئے مسکرائی۔
پروفیسر صاحب بڑے کمرے میں دسترخوان پر اس کا انتظار کر رہے تھے۔
"السلام علیکم بابا۔"
"جیتی رہو آج میں اپنا پسندیدہ ناشتا میں اپنی بیٹی کے ساتھ کروں گا۔" وہ ان کے قریب ہی دسترخوان پہ آکر بیٹھ گئی۔
"لو کھاؤ۔" صادق صاحب نے لقمہ بنا کر بیٹی کی جانب بڑھایا۔۔۔ عمائمہ کی کلائی کا زخم سرد موسم کی وجہ سے ابھی مکمل طور پر ٹھیک نہیں ہوا تھا۔۔۔ لقمہ توڑتے ہوئے اسے درد ہوا تھا۔
"کیوں ہے نا۔۔۔ ذائقہ تمہاری ماں کے ہاتھ میں۔"

انہوں نے دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ تصدیق چاہی۔۔۔ تو عمائمہ نے ہولے سے سر ہلا دیا۔ وہ بہت دنوں کے بعد انہیں اس موڈ میں دیکھ رہی تھی۔
"لو شاباش پیٹ بھر کر کھانا۔۔۔ میرا شیر بہت کمزور ہو گیا ہے۔" ان کی بات پر لب مسکرائے تھے لیکن دل میں ہلچل سی مچنے لگی تھی۔
"اور بناؤں پراٹھے۔۔۔؟" نسرین بیگم دروازے میں کھڑی پوچھ رہی تھیں۔
"نہیں بہت ہیں اب تم بھی آجاؤ اور یہ زینی کہاں ہے؟"
"زینب چائے لے کر آ رہی ہے۔ اور میں ابھی آئی ہاتھ دھو لوں۔" نسرین بیگم کے جانے کے بعد صادق صاحب دھیرے سے گویا ہوئے۔
"ویسے تو صفدر بڑا ایمان دار بچہ ہے پائی پائی کا حساب دیتا ہے مگر آج خود اسٹور پر جا کر دیکھتا ہوں۔ کتنا مال ختم ہے اور کیا کیا چیزیں لانی ہیں۔"
عمائمہ نے حیرت سے ان کے اندر آنے والی تبدیلی کو دیکھا۔
"عمائمہ بیٹا۔۔۔ جو کچھ بھی تقدیر نے ہمارے ساتھ کھیل کھیلا ہے اسے بھول جاؤ۔۔۔ آج شام میرے اسٹوڈنٹ دربد بخت کے گھر سے کچھ مہمان آ رہے ہیں۔ تمہارے رشتے کے سلسلے میں، پرانی باتیں بھلا کر آنے والی زندگی کے بارے میں سوچنا شروع کر دو بیٹا۔۔۔ وقت سب سے بڑا مرہم ہوتا ہے خود بخود زخم بھرنے لگتے ہیں۔ دربد بہت اچھا بچہ ہے میری بے پناہ عزت کرتا ہے۔ کوئی لمبا چوڑا خاندان نہیں ہے بے شک اللہ بہتر لے کر بہترین سے نوازتا ہے۔۔۔ تمہاری طرف سے اب مجھے کوئی فکر کوئی پریشانی نہیں ہے۔ اب تو اپنے رب سے ایک ہی التجا ہے تمہارے بعد مجھے باقی تینوں بیٹیوں کے فرائض کی ادائیگی تک زندگی کی مہلت دے۔" صادق صاحب اسے سمجھا رہے تھے اور اس کی سوئی ایک ہی بات میں اٹک کر رہ گئی تھی۔
"میرے رشتے کے لیے؟ میں تو ایک ٹھکرائی ہوئی لڑکی ہوں۔۔۔ ناقابل اعتبار، پھر یہ سب کیوں اور کیسے؟"
"لیجیے جناب گرما گرم چائے۔" زینب چائے سمیت کمرے میں داخل ہوئی۔ نسرین بیگم بھی ہاتھ پونچھتی دسترخوان پر بیٹھ گئی تھیں۔
"عمائمہ بیٹا۔۔۔ میرے کمرے سے صبح کی میڈیسن لے آؤ۔"
"جی بابا۔۔۔ میں ابھی لائی۔" وہ ان کی میڈیسن لینے چلی گئی۔
"نسرین بیگم۔۔۔ میں نے عمائمہ کو رشتے کے سلسلے میں تھوڑا بہت بتا دیا ہے باقی تم پیار سے سمجھا دینا۔ میری بیٹی جس ذہنی اذیت سے گزر رہی ہے جتنی جلدی اپنے گھر کی ہو جائے بہتر ہے زندگی میں تبدیلی آئے گی تو سوچیں خود بخود بدلتی چلی جائیں گی دربد بخت دل کا بہت ہمدرد انسان ہے کالج میں بھی بہت کھلنڈرا ہوا کرتا تھا اب تو خاصا سلجھ گیا ہے اور حیثیت میں بھی اللہ نے خوب نواز رکھا ہے۔۔۔ دعا کیا کرو۔۔۔ ہماری بچی سکھی رہے۔"
"ان شاء اللہ صادق صاحب۔"

☼ ☼ ☼

دن کے بعد کب شام اترنے لگی۔۔۔ کچھ احساس ہی نہ ہوا دربد بخت کی ——— شفیق سی تائی جان تمام کلفتوں سے ازحد پیار و محبت سے ملیں۔۔۔ عمائمہ کے دل میں کوئی پھول کھلا نہ خوشبو مہکی۔۔۔ بس چپ چاپ سر پہ دوپٹہ پھیلائے وہ ان کے پہلو میں نظریں جھکائے بیٹھی رہی۔
"نسرین بہن۔۔۔ مجھے تو بچی کے سوا اور کچھ نہیں چاہیے۔ ان شاء اللہ اپنے جگر کا ٹکڑا اور ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھوں گی۔" انہوں نے شفقت سے عمائمہ کے سر پہ ہاتھ رکھا۔
"بہن جی یہ تو آپ کا پیار ہے۔ میں اس رشتے سے پہلے آپ کو بتانا چاہتی ہوں۔ میری بچی کی شادی ہوتے ہوتے ٹوٹ گئی تھی۔ ایک ایسا واقعہ ہوا کہ۔۔۔" نسرین بیگم کی آواز کانپی۔

"بس بہن ـــ جو نصیب میں لکھ دیا گیا ہو سے کون ٹال سکتا ہے چاہے وہ خوشی ہو یا غم بس یوں سمجھیے بچی کے نصیب میرے وریذ کے ساتھ جڑے تھے اللہ نے ہمیں آپ جیسے نیک لوگوں سے ملانا تھا اس ذات پاک کا کرم ہے اس نے ملا دیا ـــ آپ گزشتہ باتوں کو سوچ کر دل چھوٹا نہ کریں۔ آنے والی خوشیوں کی جانب دیکھیے جو ہم نے ان بچوں کے لیے سمیٹی ہیں۔"

وریذ کی تائی جان کے خیالات سے نسرین بیگم ازحد متاثر ہوئی تھیں عمائمہ کی ہتھیلی پر روپے رکھ کر بات پکی کر دی گئی نکاح کے لیے ہفتے کا وقت لیا گیا۔

وہ شفیق اور سادہ سی خاتون خود بھی سادگی کی قائل تھیں۔

عمائمہ خاموشی سے امی' بابا اور بہنوں کے دمکتے چہرے دیکھ رہی تھی۔ سب کچھ 'وقت' حالات اور اللہ پر چھوڑ کر وہ خود کو بہلانے کی کوشش کرنے لگی مگر یہ اتنا آسان نہ تھا۔

فارینہ کو پتا چلا تو دوڑی چلی آئی۔

"دیکھا میں نے کہا تھا نا ـــ اور وہی ہوا۔"

"پتا نہیں فاری اب آگے کیا کچھ لکھا ہے میری تقدیر میں؟" اس نے دل کا خدشہ ظاہر کیا۔

"اسٹوپڈ ایسے نہیں سوچتے اب مایوسی کو اپنے دل سے نکال دو اور اپنے آنے والے وقت کے بارے میں سوچ کر مسکرایا کرو۔" فارینہ نے شرارت سے اس کی ٹھوڑی کو چھوا۔

☆ ☆ ☆

زندگی میں کسی کے آنے یا چلے جانے سے وقت رک نہیں جاتا ہاں کچھ لمحات ایسے ضرور ہوتے ہیں جو دلوں میں اپنا درد چھوڑ جاتے ہیں ـــ لیکن زندگی اور وقت پھر بھی آنے والے لمحات کو راستہ دیتے ہیں ـــ موقع دیتے ہیں۔

زندگی اسے بھی اپنی بانہیں پھیلائے بلا رہی تھی۔ وقت اسے بھی موقع دے رہا تھا۔ جتنی جلدی یہ رشتہ طے ہوا تھا اتنی ہی جلدی دیگر معاملات بھی طے ہو گئے تھے نسرین بیگم 'وریذ سے ملنے کے بعد اور بھی مطمئن ہو گئی تھیں۔

ایک ہفتہ کیسے گزر گیا تھا کچھ پتا ہی نہ چلا۔ فارینہ نے اسے مہندی لگانی چاہی تو اس نے ہاتھ کھینچ لیے۔

"مجھے مہندی مت لگاؤ ـــ مہندی کا رنگ راس نہیں ہے مجھے۔" اور پھر فارینہ نے اصرار بھی نہیں کیا تھا وہ جس ذہنی دباؤ اور خدشوں میں گھری ہوئی تھی فاری اچھی طرح سے سمجھ سکتی تھی امی نے اس کی گزشتہ شادی کے لیے اس کی مرضی کا جوڑا بنوایا تھا جو عمائمہ نے اب پہننے سے انکار کر دیا تھا۔

"میں بھولے بسرے رشتوں کے ساتھ ان تمام چیزوں کو بھی بھول گئی ہوں۔ میں نے اور بھی کئی سوٹ بنوائے تھے انہی میں سے کوئی نکال دیں۔"

نسرین بیگم نے بھی زیادہ تکرار کرنا مناسب نہ سمجھا۔

"اب اسے پہننے سے انکار مت کرنا بیٹا۔" نسرین بیگم نے ریڈ اور پرپل کمبی نیشن کا نفیس سا ہلکا پھلکا کلدار سوٹ نکال کر بیڈ پہ رکھا۔ وہ ابھی نہا کر آئی تھی۔ فارینہ اس کے لمبے بالوں کو ڈرائیر سے خشک کر رہی تھی فاطمہ اور زینی اس کی جیولری اور دیگر چیزیں نکال رہی تھیں۔

منزلیں بھی اس کی تھیں
راستہ بھی اس کا تھا
اک ہم اکیلے تھے
قافلہ بھی اس کا تھا

ساتھ ساتھ چلنے کی سوچ بھی تو اس کی تھی
پھر راستہ بدلنے کا فیصلہ بھی اس کا تھا
آج کیوں اکیلے ہیں دل سوال کرتا ہے
لوگ تو اس کے تھے کیا خدا بھی اس کا تھا؟

لب خاموش تھے لیکن دلوں میں ہزاروں سوال اٹھ رہے تھے ـــ بے شک اسے زاویار سے کوئی اندھا عشق نہ تھا مگر رد کیے جانے کا احساس اتنا قوی تھا کہ زخم پھر سے ہرے ہونے لگے تھے اتنی بے دلی سے شاید ہی

کوئی دلہن تیار ہوئی ہو۔ جتنی بے دلی سے وہ تیار ہوئی تھی آنکھوں میں کاجل کی ہلکی سی لکیر اور معمولی سے مسکارے نے بھی اس کی اداس و گہری نشیلی سی آنکھوں کو حسین بنا دیا تھا ہلکے سے میک اپ میں بھی وہ انتہائی خوب صورت لگ رہی تھی۔ زندگی میں کبھی کالج و یونیورسٹی میں بھی اس نے میک اپ نہیں کیا تھا اور نہ ہی نسرین بیگم شادی سے پہلے لڑکیوں کو ایسے حلیے میں پسند کرتی تھیں۔ آج اسے یوں تیار ہوا دیکھا تو بے اختیار اس کی پیشانی چوم لی اور اسے دعائیں دیتے رو پڑیں۔

وریذ کے ساتھ بھی زیادہ لوگ نہ تھے دوست وغیرہ ملا کر چھ سات لوگ تھے کھانے کے بعد مولوی صاحب نکاح کے لیے چند معززین کے ساتھ کمرے میں آئے۔

وہ خالی نظروں اور بے جان ہوتے ہاتھوں سے نکاح نامے پر مولوی صاحب کی ہدایات کے مطابق سائن کرتی رہی۔ ذہن میں آنے والے وقت کی بجائے گزرے لمحوں کی فریبی باتیں گونج رہی تھیں۔ زاویار کے وہ شوخ جملے ـــ وہ میٹھی باتیں وہ کمزور وعدے اور نہ جانے کیا کچھ۔

عمائمہ نے تنفر سے زاویار کے فریبی جھانسوں کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کی اور نظریں آخری دستخط پر جما دیں۔ ایک لمحہ لگا اسے اپنی پوری زندگی ـــ وریذ بخت کے نام کرنے میں جسے اس نے دیکھا تک نہ تھا اور نہ ہی اسے دیکھنے کی خواہش دل میں جاگی تھی۔

☆ ☆ ☆

بھولتا کون ہے؟
وقت کے گھاؤ کو
ہجر کے تند طوفان کی
بے یقین لہر میں
وصل کے خواب کی ڈوبتی ناؤ کو
بھولتا کون ہے؟

اس کی سوچ پر نہ جانے کون کون رویا تھا۔ شاید سبھی روئے تھے مگر وہ نہیں روئی تھی خاموشی سے روتے چہروں کو ہال کے آنگن میں چھوڑ کر وریذ کی تائی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔

لاہور شہر سے نکلتے نکلتے تقریباً" آدھا پونا گھنٹہ صرف ہوا۔ ڈرائیور کے ساتھ اگلی نشست پر بیٹھے وریذ بخت کو اس نے اک نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی زحمت بھی نہ کی تھی۔ وریذ نے بھی پیچھے دیکھ کر کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا تھا۔ ایک اس کی تائی جان ہی تھیں ـــ جو گاہے بگاہے عمائمہ سے کچھ کھانے پینے کے متعلق دریافت کر رہی تھیں اور وہ نفی میں سر ہلا کر انکار کر دیتی۔

پاڈی گارڈز کی گاڑی ان کے تقریباً" ساتھ ساتھ سفر میں تھی۔ تقریباً" ڈیڑھ گھنٹے میں وہ شہداد نگر کی حدود میں داخل ہو گئے تھے پھر دیکھتے ہی دیکھتے دونوں گاڑیاں حویلی کے وسیع و عریض پورچ میں آ رکیں۔ سب سے پہلے گاڑی سے وریذ اتر کر مردان خانے کی جانب بڑھا۔

"وریذ پتر کہاں جا رہے ہو ادھر تو آؤ۔"

اس نے پلٹ کر دیکھے بغیر ہاتھ کے اشارے سے ابھی آ جانے کا اشارہ کیا عمائمہ شلوار قمیص میں ملبوس وریذ کی پشت ہی دیکھ سکی۔

"آؤ میری بچی ـــ یہ حویلی تم دونوں اور تمہارے بچوں سے شاد و آباد رہے۔" ان دونوں کے گاڑی سے اترنے پر حویلی کا ایک بزرگ ملازم منشی اللہ یار دو کالے بکرے لیے آگے بڑھا۔

"عمائمہ میری بچی یہ صدقے کے جانور ہیں۔ اپنا ہاتھ ان کے سروں پر پھیر دو ـــ اللہ تم دونوں کو مصیبتوں اور آفتوں سے محفوظ رکھے۔" ان کے کہنے پر عمائمہ نے ڈرتے ڈرتے اپنا ہاتھ بکروں پہ پھیرا۔ حویلی کی تمام نوکرانیاں سید وریذ بخت کی دلہن دیکھنے کو بے تاب نظر آ رہی تھیں۔ مگر یہ کیا ـــ دلہن تو بلاشبہ بہت خوب صورت تھی مگر انتہائی سادہ سی وہ سب تو کسی شہری فیشن ایبل سی لڑکی کی توقع کر رہی تھیں۔

"مبارک ہو مالکن..... وہٹی (دلہن) تو بڑی سوہنی ہے اپنے چھوٹے صاحب کی۔"

"خیر مبارک....." عمائمہ ان کے ساتھ چلتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

"عمائمہ میری بچی تم تھک گئی ہوگی۔ میں بانو سے کہتی ہوں تمہیں تمہارا کمرہ دکھادے۔ میں ذرا ان لوگوں کو شگن کے طور پہ دے دلا کے فارغ کردوں۔ بانو او بانو..... چھوٹی بی بی کو ان کا کمرہ دکھادے بے چاری تھوڑی دیر آرام کرلے۔"

"جی مالکن....." بانو کچن سے ہاتھ پونچھتی سعادت مندی سے عمائمہ کے آگے چل دی۔

"بسم اللہ" آئیں چھوٹی مالکن....." وہ بانو کی ہمراہی میں ایک کمرے میں داخل ہوئی وہ حویلی اور کمرے کے انٹیریر سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ خصوصاً" کمرے میں داخل ہوتے ہی اسے لگا جیسے وہ کسی گاؤں کی بجائے کسی پوش ایریا کے کسی لگژری روم میں آگئی ہو..... سویا ہوا ذہن..... ایک نئی جگہ ایک نئے ماحول میں جاگنے لگا۔

"یہاں بیٹھیں چھوٹی مالکن۔" بانو نے بیڈ کراؤن کے ساتھ تکیے کا سہارا بنایا۔

"لائیں چھوٹی مالکن میں آپ کے پیر دبادوں لمبے سفر سے آئی ہیں۔" اسے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے دیکھ کر بانو آگے بڑھی۔

"نہیں میں ٹھیک ہوں..... رہنے دو۔" عمائمہ نے پاؤں سمیٹے۔

"چھوٹی مالکن آپ شرمائیں نہیں ہم تو خادم ہیں آپ کے..... آپ آرام کریں۔" جب اس نے زیادہ اصرار کیا تو وہ لیٹ گئی..... بانو بیڈ کی پائینتی کے ساتھ بیٹھ کر اس کے پاؤں دبانے لگی۔

عمائمہ نے اس سے مزید کچھ کہنے سننے کی بجائے تھک کر آنکھیں موند لیں..... بانو کے ہاتھوں کی گرماہٹیں اور ہلکا ہلکا دباؤ اسے خاصے سکون بخش احساس سے دوچار کر رہا تھا جیسے زندگی کی ساری تھکن اس کے ہاتھوں میں سمٹ رہی ہو۔

پاؤں گرم ہوئے تو آنکھوں کی تھکن بھی نیند کے راستے ڈھونڈنے لگی اور پھر کب اس کی آنکھ لگی کچھ پتا نہ چلا۔

☼ ☼ ☼

درید بخت جب کمرے میں آیا تو اسے گہری نیند کی آغوش میں پایا وہ آہستگی سے بیڈ کے دوسرے کنارے پہ آبیٹھا۔

ریڈ اور پرپل کمبی نیشن سوٹ میں اس کا صاف رنگ اور بھی دمک رہا تھا اس کی بڑی بڑی بند آنکھیں اور مڑی ہوئی لمبی پلکیں درید کا دل بے ایمان کرنے لگیں۔

ستواں ناک اور اس میں چمکتی ہوئی چھوٹی سی لونگ اسے قریب بلانے لگی۔ لپ اسٹک سے سجے ہونٹ اس کے اندر کی دنیا کو گدگدا رہے تھے۔ درید کی نظریں اس کے ہاتھوں پر پڑیں ایک ہاتھ کمبل میں تھا اور دوسرا کمبل سے باہر کلائی پر جا بجا زخموں کے نشان دیکھ کر دل عجیب انداز میں ڈولا تھا۔

درید بخت نے بے اختیار ہاتھ بڑھا کر اس کی ہتھیلی کو نرمی سے چھوا جانے یہ اس کی نظروں کی تپش تھی یا اس کا لمس۔ عمائمہ جیسے کچی نیند سے یکدم بے دار ہوئی..... اپنے قریب ہی درید بخت کو خود پہ قدرے جھکا ہوا دیکھ کر حواس بہت بری طرح سے جھنجھنائے تھے۔

یہ چہرہ یہ آنکھیں یہ مسکراہٹ اور یہ لمس تو وہ کبھی بھی بھول نہیں سکتی تھی جس نے اس کی خوشیوں کے سارے موسموں کو بدنامی کی نذر کر دیا تھا محض اپنی انا کو تسکین دینے کے لیے.....

"تت تم..... تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" عمائمہ کو اپنی ہی آواز اجنبی محسوس ہوئی۔

☼ ☼

"میں سید درید بخت ولد سید بخت عالم تمہارا سرتاج، تمہارا شوہر تمہارا مجازی خدا اور۔۔۔" وہ چند ثانیے کے لیے رکا۔

"بابی داوے اور کیا اول فول کہتے ہیں ہزبنڈ کو؟"

چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی مگر نظروں میں، لہجے میں شرارت ناچ رہی تھی۔ عمائمہ کا یوں بدک کر پیچھے ہٹنا اور پھر حیران نظروں سے اس کا دیکھنا۔ درید کے دل میں گدگدی سی ہوئی۔

"آج بھی میرے چہرے پر وہی غلاظت اور وہی گندگی درج ہے یا کچھ بہتری کی امید نظر آ رہی ہے تمہیں؟" وہ اس کی ساکت نظروں میں جھانکتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

زندگی نے ایک بار پھر عمائمہ کو تاریک گلیوں میں لا پٹخا۔

"کیا ہو تم۔۔۔؟ ایک درندے؟ یا ایک بہت بڑے چیٹر۔۔۔ دھوکا دیا ہے، چیٹ کیا ہے تم نے مجھے، میرے بابا کو، میرے گھر والوں کو تمہاری وجہ سے مجھے، میرے والدین کو، میری بہنوں کو ذلت اور بدنامی کی آگ سے گزرنا پڑا اور تم۔۔۔ تم اتنی آسانی کے ساتھ ایک بھیانک خواب کی طرح ایک بار پھر میری زندگی میں شامل ہو گئے۔ میں چیخ چیخ کر سب کو تمہاری اصلیت بتاؤں گی۔ تمہارا مکروہ چہرہ بابا کو دکھاؤں گی۔ دھوکا دیا ہے تم نے ہم سب کو۔" وہ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

درید نے آہستگی سے اس کے ہاتھ ہٹانے چاہے تو عمائمہ نے تیزی سے اس کے ہاتھ جھٹک دیے۔

"مانا کہ میں انتہائی غلط انسان ہوں۔ قابلِ نفرت، مکروہ اور فریبی ہوں میری وجہ سے تمہیں، تمہارے پورے گھر والوں کو ذلت کے عذاب سہنے پڑے لیکن میں نے پروفیسر صاحب سے کوئی فریب نہیں کیا۔ کوئی دھوکا نہیں دیا انہیں۔ میں نے اپنی زندگی میں صرف دو لوگوں کی عزت کی ہے۔۔۔ پہلی میری تائی انو۔۔۔ اور دوسرے پروفیسر صاحب! اور یہ بات تو تم بھی اچھی طرح سے جانتی ہو گی کہ ہم جن کی دل سے عزت کرتے ہیں ان کی عزت کو نیلام نہیں ہونے دیتے۔۔۔ میں انو اور پروفیسر صاحب کے لیے درید بخت تھا، ہوں اور ہمیشہ رہوں گا۔ سنی میں صرف اپنے لیے ہوں۔

اور رہی بات تمہیں کڈنیپ کروانے اور پھر تم سے نکاح کرنے کی تو جب میرے فرینڈ ارسل نے تمہیں کڈنیپ کروایا تو مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم پروفیسر صاحب کی بیٹی ہو۔۔۔ جب مجھے پتا چلا تو میں نے خود کو ڈھیروں لعن طعن کرنے کے بعد تمہیں واپس بھجوا دیا۔ جب تمہارے اس بدذوق احمقوں کی دنیا کے

بے تاج بادشاہ کزن زاویار حسان نے تمہیں ریجیکٹ کیا تو مجھے از حد افسوس ہوا ایک دکھ ایک ندامت تھی میرے اندر۔۔۔ جو مجھے سونے نہیں دیتی تھی۔۔۔ میرا سکون غارت کیے رکھتی تھی کہ میری وجہ سے ایک باکردار لڑکی کا کریکٹر سوالیہ نشان بن گیا تھا۔۔۔

اور پھر زندگی اور موت کی جنگ لڑتے پروفیسر صاحب کے شملے میں لگا ہوا بدنامی کا داغ دھونے کے لیے میں نے تمہارے لیے خود کو پیش کر دیا حالانکہ میں یہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ تم مجھے اتنے بڑے سانحے کے بعد ایک "لائف پارٹنر" کے روپ میں کبھی قبول نہیں کرو گی۔ لیکن۔۔۔ پروفیسر صاحب کی رہی سہی ساکھ بچانے کے لیے مجھے یہ چیلنج قبول کرنا پڑا۔"

آخری جملہ شریر لہجے میں ادا کیا گیا تھا۔

"تمہارے لیے یہ محض ایک کھیل ایک تماشا تھا۔ جسے تم نے اپنی انا کی تسکین کے لیے کھیلا اور پھر نہایت مکاری سے جیت بھی لیا۔۔۔ اور سب کی نظروں میں ہیرو بن بیٹھے۔۔۔ لیکن میں میں تو بے یقین ہو گئی ہوں نا۔۔۔

ساری زندگی کے لیے صرف تمہاری وجہ سے۔۔۔ تم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ مجھے تم سے کتنی نفرت ہے؟ تمہاری اس حیثیت اور مرتبے سے۔۔۔ لعنت بھیجتی ہوں میں تم سمیت تمہارے تمام جھوٹوں پر۔" وہ آپے سے باہر ہو کر۔۔۔ تکیے سے اسے پیٹنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"بات سنو میری۔۔۔" درید نے اسے کھینچ کر خود سے قریب کیا۔

"ڈونٹ ٹچ می۔۔۔ گھن آ رہی ہے مجھے تم سے۔" عمائمہ نے اسے پرے دھکیلا۔

"اوکے ہو جاتا ہوں میں تم سے دور۔" درید نے اسے چھوڑ دینا ہی مناسب سمجھا۔

"تمہیں مجھ سے نفرت ہے مان لیا۔ گھن آتی ہے تمہیں میرے وجود سے مان لیا۔ میں ایک لوز کریکٹر انسان ہوں مان لیا۔ میں تمہارے قریب نہ آؤں یہ بھی مان لیا۔ لیکن میری ایک بات کان کھول کر سن لو۔ اگر تم نے انو اور پروفیسر صاحب کے سامنے کوئی ڈرامہ کری ایٹ کرنے کی کوشش کی تو۔۔۔ بہت برا ہو گا اور برا کتنا اور کیا ہو گا یہ تم اچھی طرح سے جانتی ہو۔ لہٰذا کچھ لو اور دو کی اس ڈیل میں کوئی کھوٹ نہیں ہونا چاہیے۔ اور ہاں۔" وہ جاتے جاتے پلٹا۔

"تمہاری ذات کو یقین دینے کے لیے ہی میں نے اپنا نام دیا ہے تمہیں تمہاری حیثیت اب کیا ہو گئی ہے؟ یہ تمہارے اس سابقہ منگیتر سمیت بہت سے لوگوں کو معلوم ہو جائے گا۔

جب میری قیمتی گاڑی تمہارے گھر کے باہر ایک داماد کی حیثیت سے رکے گی تو تمہارے محلے کے لوگ تمہاری حیثیت تمہارے اسٹیٹس کو رشک کی نگاہ سے دیکھ کر اپنی بیٹیوں کے ایسے نصیبوں کی دعائیں کریں گے۔"

وہ اپنی بات مکمل کر کے باہر نکل گیا اور وہ وہیں بیڈ پر بیٹھی سر تھام کر اپنے نصیبوں کو رونے لگی۔

"یا اللہ میں تیری تو کیا کبھی اپنے والدین کی نافرمان بھی نہیں رہی۔ پھر یہ اتنا نافرمان شخص ایک شوہر کے روپ میں کیوں دیا تو نے مجھے؟ جس شخص نے میری زندگی برباد کر دی اسی شخص کو ہمیشہ کے لیے میری زندگی میں تو نے شامل کر دیا کیوں؟ جس شخص کی وجہ سے میرا کردار، میرے والدین کی عزت دنیا کے کٹہرے میں تماشا بنی تو نے اس کو میرے سر پہ مجازی خدا کا تاج بنا کر پہنا دیا۔ کیوں؟

اے اللہ میں نے تو کبھی زندگی میں اتنے بڑے گناہ نہیں کیے پھر ایک ایسا گنہگار شخص جو برائی کی ہر دلدل میں پاؤں ڈالے کھڑا ہو۔۔۔ تو نے اس شخص کو میرا سہارا بنا دیا۔ کیوں؟ کیوں میرے مولا؟ ایسا کون سا گناہ کر دیا تھا میں نے؟ میری کس خطا کی سزا ہے یہ شخص؟"

وہ ہچکیوں سے روتے ہوئے اپنے اللہ سے شکوہ کر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

ولیمہ بالکل ویسا ہی ہوا جیسا عموماً گاؤں کے بڑے چوہدریوں یا زمینداروں کا ہوا کرتا ہے۔۔۔ سارے گاؤں کے لوگوں کو کھانا کھلایا گیا۔ صدقہ خیرات کے طور پر کمیوں اور مزاروں کو حویلی سے خالی ہاتھ نہ بھیجا جا رہا تھا۔

اس کے لیے تو یہ عجیب ولیمہ تھا۔ سابق وزارتوں جیسے سیاسی عہدوں پر لوٹ مار کا کھیل کھیلنے والے سید بخت عالم کے بیٹے کا ولیمہ! جس میں کوئی اس کا اپنا نہ تھا۔ صادق صاحب طبیعت خرابی کی وجہ سے لمبا سفر نہیں کر سکتے تھے۔ اور نسرین بیگم نے اکیلی بچیوں کو بھیجنے پر معذرت کر لی تھی۔ انو نے اسے ولیمہ پر اپنے خاندانی قیمتی زیورات پہنائے تھے۔۔۔ تقریب کے بعد اسے اسی کمرے میں دوبارہ بٹھا دیا گیا تھا۔۔۔ لوگوں کا ہجوم رفتہ رفتہ کم ہوا تو انو نے اس کے کمرے میں جھانکا۔۔۔ عمائمہ کا بلڈ پریشر لو ہو رہا تھا۔

"میری بچی مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی اسی لیے کہہ رہی تھی کچھ کھا لو دیکھو اب رنگت کیسی زرد اور ہاتھ پاؤں کیسے ٹھنڈے ہو رہے ہیں تمہارے۔" انہوں نے عمائمہ کے یخ اور بے جان سے ہاتھوں کو اپنے نحیف ہاتھوں میں لیا۔

"صبح سے مردان خانے میں گھسا ہوا ہے۔ آ جائے یہ نالائق لڑکا نئی نویلی دلہن سے اتنی غفلت؟ نہ جانے کب سے یہاں پڑی ہو؟ میں تو چلو دیگر کام نوری اور بانو سے نمٹوا رہی تھی۔۔۔ اور یہ لڑکا جانے دوستوں یاروں کے ساتھ کہاں گھوم پھر رہا ہے۔"

"میں ٹھیک ہوں انو جان۔۔۔ آپ پریشان نہ ہوں۔" وہ انہیں فکرمند دیکھ کر منمنائی۔

"کیا خاک ٹھیک لگ رہی ہو؟ رنگ ہلدی کی طرح پیلا ہو رہا ہے تمہارا، خیر غلطی بھی میری ہی ہے تمہیں یہاں لا کر خود کاموں میں جت گئی۔"

بانو تھوڑی دیر پہلے مختلف فروٹس باسکٹ میں رکھ کر دے گئی تھی اور انو اس کے پاس بیٹھیں۔ سیب چھیل کر اسے کھلا رہی تھیں۔

"یہ لو میری بچی اسی لیے تو آتے ہی تمہارا صدقہ دیا تھا

کہ اللہ نظر بد سے بچائے۔" انہوں نے سیب کی ایک اور قاش اس کی جانب بڑھائی۔ مگر وہ تو جیسے خود سے بھی خفا تھی۔ کچھ بھی حلق سے نیچے نہیں اتر رہا تھا۔

"جی انو آپ نے بلایا تھا۔" وہ لاپروائی سے کمرے میں آیا۔

"دل تو چاہ رہا ہے کان سے پکڑ کر توبہ کرواؤں تمہیں بھورائی نہ جانے کب سے بھوکی بیٹھی تھی۔۔۔۔ میں تو یہی سمجھی کہ تم اس کے پاس ہی ہو گے لیکن یہاں آئی تو تم بھی غائب اور بہو کی طبیعت بھی نڈھال دیکھی۔"

(مجھے دیکھ کر تو ویسے ہی محترمہ آپے سے باہر ہو جاتی ہیں اور آپ طبیعت کی بات کر رہی ہیں) وہ دل میں سوچتا عمائمہ کے قریب آیا۔

"تم بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔"

درید نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور عمائمہ کے اعصاب پھر سے تننے لگے۔

"بلڈ پریشر لو لگتا ہے مجھے۔" اس نے کسی ماہر طبیب کی طرح قیاس ظاہر کیا۔

"پر تمہیں کیسے پتا چلا۔۔۔؟" انو نے حیرانی سے پوچھا۔

"کیونکہ میری موجودگی میں ہمیشہ لو ہی ہوتا ہے۔" بڑبڑاہٹ اتنی واضح تھی کہ عمائمہ نے با آسانی سنی۔

"کیا کہہ رہے ہو۔۔۔؟"

"انو بات یہ ہے کہ جب آپ کی بہو کچھ کھائے پیئے گی نہیں تو بلڈ پریشر لو ہی ہو گا ناں۔۔۔۔"

"ہاں یہ تو ہے۔۔۔ میں ابھی بانو کے ہاتھ نیم گرم دودھ بھجواتی ہوں شہد ڈال کر۔"

"انو شہد نہیں Bournvita ملا کر بھجوایئے گا' محترمہ کو خالی دودھ اچھا نہیں لگتا۔۔۔" درید نے انہیں اٹھتے ہوئے دیکھ کر یاد دہانی کروائی تو انو مسکرائیں۔

"اچھی بات ہے پتر ایک دوسرے کی پسند ناپسند کا خیال رکھنا چاہیے۔"

"انو آپ پسند کی بات کرتی ہیں یہاں تو یہ معاملہ ہے کہ۔۔۔"

میرے ہی ہاتھوں پہ لکھی ہے تقدیر میری
اور میری ہی تقدیر پر میرا بس نہیں چلتا

وہ عمائمہ کو دیکھ کر بے بسی سے مسکرایا۔

"پتا نہیں کیا الٹی سیدھی بکواس کر رہے ہو۔" انو نے ہلکی سی چپت اسے رسید کی۔۔۔ ان کے جانے کے بعد اب مکمل توجہ عمائمہ کی جانب مبذول ہو چکی تھی۔

"کیسا لگا میرا یہ غریب خانہ۔"

"بالکل تمہاری طرح۔" اس کے پھنکارتے لہجے پر وہ زور سے ہنسا۔۔۔ "بہت خوب! ویسے ماسٹرز تو تم نے یقیناً 'اخلاقیات' میں ہی کیا ہو گا؟" وہ اس کی بات کا جواب دیئے بغیر اپنے غصے اور نفرت کو کنٹرول کرتی رہی۔

"چلو چھوڑو ان فضولیات کو آؤ دوستی کر لیں۔" اس نے عمائمہ کا ہاتھ پکڑنا چاہا۔

"تم سے دوستی تو قیامت تک نہیں ہو سکتی۔" اس نے تنفر سے اس کا ہاتھ جھٹکا۔

"اتنی لمبی دشمنی؟ یعنی ہمارے بچے تو اس دنیا میں آئے بغیر ہی اس دشمنی کی بھینٹ چڑھ جائیں گے؟ ۔۔۔ سچ۔۔۔ سچ مجھ سے تو یہ سب برداشت نہیں ہو گا۔" وہ اس کے سامنے کہنی کے بل لیٹا کف افسوس مل رہا تھا۔

"تو چھوڑو مجھے تنہا' مت کرو برداشت چلے جاؤ یہاں سے۔" ڈپریشن تھا کہ کم ہی نہیں ہو رہا تھا۔

"پلیز کول ڈاؤن میری پیاری زوجہ محترمہ۔" وہ ذرا آگے کو جھکا ہی تھا کہ دروازے پر ہونے والی دستک نے توجہ ہٹائی۔

"یس۔۔۔ کم آن۔"

"چھوٹے صاحب یہ بڑی مالکن نے دودھ بھجوایا ہے کہہ رہی ہیں چھوٹی مالکن کو پلا دیجیے۔۔۔ طبیعت میں بہتری آئے گی۔"

"یہاں رکھ دو۔۔۔" بانو دودھ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر چلی گئی۔

"طبیعت میں بہتری والی بات ہے تو جناب ہم خود یہ زحمت کیے دیتے ہیں۔" وہ دودھ کا گلاس لیے اس کے قریب آیا۔

"اگر زحمت ہی اٹھانی ہے تو کہیں سے زہر لا دو، میں تم جیسے گندگی میں لتھڑے شخص کے ساتھ ایک پل بھی نہیں گزار سکتی۔"

"خالص زہر تو گاؤں میں دستیاب نہیں ہوتا البتہ چوہے مار گولیاں کافی مقدار میں دستیاب ہو سکتی ہیں۔ وہ میں تمہیں ایک آدھ دن میں لا دوں گا فی الحال یہ دودھ پی لو اچھے بچوں کی طرح انو جان نے پیغام بھجوایا ہے میں یہ دودھ تمہیں اپنے ہاتھوں سے پلاؤں اب میں چونکہ ان کی کوئی بات ٹال نہیں سکتا۔ تو سویٹ ہارٹ۔۔۔ نہایت مجبوری ہے میری۔" اس کی لاچارگی پر وہ بل کھا کے رہ گئی۔

"تم ایک نہایت ڈھیٹ انسان ہو کتنی بار بتاؤں میں تمہیں کہ تمہیں دیکھ کر مجھے ہر چیز سے حتیٰ کہ اپنے آپ سے بھی نفرت ہونے لگتی ہے۔"

"تھینکس فار دس کامپلیمنٹ۔۔۔ تمہارے یہ تعریفی کلمات کچھ دیر کے لیے ڈھل نہیں سکتے محبت بھری ڈانٹ میں؟"

"محبت اور تمہارے لیے۔۔۔؟ ساری زندگی اسی عزت افزائی کے حق دار ہو گے تم۔"

"چچ چچ۔۔۔ جاتے جاتے زاویار تو مجھے ہمیشہ کے لیے کنگال کر گیا۔ ویسے زاویار میاں۔۔۔ آپ نے ہمارا حق غصب کر کے اچھا نہیں کیا۔"

"اس کا نام مت لو میرے سامنے۔"

"کیوں؟ وہ اور زیادہ یاد آتا ہے تمہیں۔" ہار ماننا تو کبھی درید نے بھی نہ سیکھا تھا۔ جان بوجھ کر اسے زچ کیا۔

"جسٹ شٹ اپ۔۔۔"

"چلیں جی آپ کہتی ہیں تو شٹ اپ ہی سہی۔ ویسے آپ کے ساتھ بیٹھ کر بھی بندے کو مسلسل زلزلے کے جھٹکے ہی محسوس ہوتے ہیں۔۔۔ اچھا یہ بتاؤ میں اپنا خیمہ باہر لان میں لگاؤں یا حویلی کی چھت پر؟"

"یہ گاؤں تمہارا ہے۔۔۔ یہ حویلی تمہاری ہے یہاں کی ہر چیز تمہاری ملکیت ہے تمہیں حق حاصل ہے اس حویلی۔۔۔ اس کمرے کی ہر آسائش پر۔۔۔ میرا کیا ہے؟ اپنی مرضی سے میں نہ یہاں آئی ہوں اور نہ یہاں سے جا سکتی ہوں۔۔۔ کہیں بھی کسی بھی کونے میں رات بسر کر لیا کروں گی۔"

عمائمہ تکیہ اٹھا کر بیڈ سے نیچے اتر آئی عورت کی ان مکاریوں اور چالاکیوں سے وہ کبھی مرعوب نہیں ہوا کرتا تھا مگر اس لڑکی کی تلخ باتوں سے نہ جانے کیوں دل کو ٹھیس پہنچتی تھی؟

"ہاں یہ گاؤں یہ حویلی میری ملکیت ہے۔۔۔ مگر ان سب چیزوں کے علاوہ میری ملکیت تو تم بھی ہو۔" اسے شانوں سے پکڑ کر خود سے قریب کیا گیا۔

"مت بھولو کہ اس ڈیل میں تم نے کیا کہا تھا۔" وہ جیسے اپنے ہی جال میں پھنس گیا۔ ہاتھوں کی گرفت خود بخود نرم پڑ گئی۔

"تم نیچے یا صوفے پر مت سونا۔۔۔ گاؤں کی سردی بہت غضب ڈھاتی ہے تمہاری طرح اور مجھے اچھا نہیں لگے گا۔ میں ادھر ادھر کسی بھی کمرے میں سو جاؤں گا مگر انو کو پتا نہ چلے۔۔۔ ہماری شادی سے وہ بہت خوش ہیں اور میں ان کی واحد خوشی کو غارت نہیں کر سکتا۔" وہ کمرے سے نکلا تو عمائمہ نے سکون کا سانس لیا۔

عمائمہ نے عجلت میں اپنا سیل آن کیا تو فارینہ کے ڈھیروں Messages موصول ہوئے جن میں بہت ساری بیسٹ وشز کے ساتھ بہت ساری گالیاں بھی درج تھیں۔۔۔ اس کے ہونٹ بے اختیار مسکرائے ۔۔۔ عمائمہ نے جوابی Message لکھ کر Send کیا اور گھر کال ملائی۔۔۔ ٹائم تو زیادہ ہی ہو چکا تھا یقیناً" اس وقت سب عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر سونے کی تیاری کر رہے ہوں گے۔ اس نے دل میں خیال ظاہر کیا لیکن کال ریسیو کی گئی۔

"السلام علیکم امی۔۔۔"

"جی امی میں بالکل ٹھیک ہوں اور وہ بھی ٹھیک ہیں۔ آپ بتائیں کیسی طبیعت ہے بابا کی ..... اور آپ سب ٹھیک ہیں نا؟"

"اللہ کا شکر ہے بیٹا یہاں سب ٹھیک ہے ..... ہم سب خیریت سے ہیں تمہارے بابا عشاء کے بعد میڈیسن لیتے ہی سو گئے تھے ورنہ میں بات کرواتی تمہاری' ہاں فاطمہ' زینی اور آمنہ بھی ٹھیک ہیں تمہیں بہت یاد کرتی ہیں ..... ویسے تو فون پر دید ہم سب کی خیر خیریت پوچھتا رہتا ہے۔ ماشاء اللہ بہت نیک اور سلجھا ہوا بچہ ہے ..... پتا نہیں کس نیکی کا صلہ دیا ہے مولا نے ہمیں۔" نسرین بیگم اپنی ہی دھن میں بولے جا رہی تھیں عمائمہ کا جی چاہا وہ چیخ چیخ کر انہیں دربید کی اصلیت بتائے۔

"عمائمہ بیٹا تم خوش تو ہو نا ....." اس کی خاموشی پر بے تابی سے پوچھا گیا۔

"جج ..... جی امی ..... خوش ہوں بہت خوش!"

"اور بیٹا ہم سے ملنے کب آ رہی ہو؟"

"دیکھیں امی اب کیا پروگرام بنتا ہے!"

"ویسے صبح دربید سے بات ہوئی تھی تو کہہ رہا تھا ایک آدھ دن میں تمہارے ساتھ چکر لگائے گا ....."

"جج ..... جی مجھے بھی کہہ رہے تھے۔" امی کی اطلاع پر عمائمہ کو حیرت ہوئی۔

"اچھا آنے سے پہلے فون کر دینا۔ میں کھانے میں ذرا اہتمام کر لوں گی۔ آخر دربید شادی کے بعد پہلی بار ہمارے ہاں آئے گا۔"

"جی امی میں بتا دوں گی۔"

"اچھا میری بچی ..... صدا سہاگن رہو۔"

"امی سب کو میرا سلام کہیے گا ..... اب میں رکھتی ہوں۔"

"اللہ نگہبان بیٹا ....." دوسری طرف سے بھی سلسلہ منقطع ہو چکا تھا اور وہ فون ہاتھ میں لیے کتنی ہی دیر بیڈ پہ حیرت سے بیٹھی رہی ..... کتنا گھناؤنا ہے یہ شخص۔

☼ ☼ ☼

نسرین بیگم انہیں بچپن ہی میں فجر کے وقت اٹھا دیا کرتیں ..... اب تو عادت اتنی پختہ ہو گئی تھی کہ عین فجر کی اذان کے ساتھ ہی آنکھ کھل جاتی تھی کچھ دیر وہ یونہی چھت کو گھورتی رہی اور پھر نماز کے لیے اٹھ گئی۔ گرم پانی سے وضو کرنے کے بعد سردی کا احساس جاتا رہا۔

وہ نماز کے لیے نیت باندھ چکی تھی۔ جب دروازے پر ہلکی سی آہٹ ہوئی تھی عمائمہ پوری دل جمعی سے نماز کا ایک ایک رکن ادا کر رہی تھی وہ اس کے بستر میں گھسا بغور اسی کو دیکھنے لگا۔

صبیح چہرے پر پاکیزگی کا اک ہالہ سا بنا ہوا تھا ..... نماز کے بعد اس نے انگلیوں پر تسبیح شروع کی ..... اس کے بعد عمائمہ نے درود پڑھنا شروع کیا ..... آنکھیں بند تھیں اور بدن دھیرے دھیرے ہل رہا تھا۔ آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گالوں پر پھسلتے اور دوپٹے میں جذب ہو جاتے پتا نہیں وہ اللہ سے کیا مانگ رہی تھی؟ لیکن وہ جانتا تھا عمائمہ اپنے اللہ سے اسی کے متعلق شکوے کر رہی تھی! جب دعا کے بعد اس نے آنکھیں کھولیں تو اپنے بستر میں دربید کو لیٹے ہوئے پایا ..... وہ اٹھ کر خاموشی سے جائے نماز تہ کرنے لگی۔ دربید اس کی گالیوں کو سننے کا منتظر ہوا ..... مگر وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ جائے نماز تہ کرنے کے بعد صوفے پر آ بیٹھی۔

"یہ کان تمہاری تعریف کے اتنے عادی ہو گئے ہیں کہ تم چپ رہو تو کھلبلی ہونے لگتی ہے ان میں۔" وہ یقیناً صبح کاذب کے وقت لڑائی کے موڈ میں نہ تھی۔

"تم نے پوچھا نہیں میں تمہارے بستر میں کیوں لیٹا ہوں؟"

"میں نے ضرورت نہیں سمجھی۔" عمائمہ نے بے دلی سے کہہ کر بات ختم کی ....

"اگر میں تمہیں بتانا چاہوں کہ تو نہیں تیرا بستر ہی سہی تو۔"

"میں اس وقت تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتی۔"

"یعنی لگنے کے چانسز ہیں؟" لہجے میں امید جاگی۔

"دماغ خراب کر دیا ہے تم نے میرا ..... پتا نہیں کیا

ہو تم؟" گمبھیر لہجے میں دل کا مدعا بیان کیا گیا۔

"مجھ پر یہ گر آزمانے کی ضرورت نہیں ہے اپنا حال دل انہیں سناؤ جنہیں روپے پیسوں کا لالچ دے کر اپنے ساتھ لے جاتے ہو انہیں ساتھ بٹھاتے اور سلاتے ہو ..... استعمال کرتے ہو جنہیں۔"

"وہ جب میرے ساتھ ہوتی ہیں تو میں ہوش و خرد سے بے گانہ ہوتا ہوں اور جب میں ہوش میں آتا ہوں تو وہ میرے لیے اجنبی بن چکی ہوتی ہیں۔"

"مجھے تمہاری ان رام کہانیوں سے کوئی سروکار نہیں ہے مجھے اپنے کارنامے مت بتاؤ۔"

"ٹھیک ہے نہیں بتاتا ..... مجھے صبح دس بجے جگا دینا۔ ایک ضروری کام سے ارسل نے ارجنٹ بلوایا ہے مجھے۔" دربید نے ہار مان کر کمبل سر تک تان لیا۔

"امی بتا رہی تھیں تم گھر فون کرتے رہتے ہو؟" عمائمہ کو یاد آیا۔

"ہاں کرتا ہوں فون ..... کیا اب فون کرنے پر بھی پابندی لگاؤ گی؟" کمبل سر سے اتار آیا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں میرے والدین کے سامنے زیادہ اچھا بننے کی تم کیا ہو یہ میں اچھی طرح سے جانتی ہوں۔"

"پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھے خود کو اچھا ثابت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میں آل ریڈی بہت اچھا ہوں اور رہی بات میری اصلیت کی تو تم نے ابھی مجھے جانا ہی کب ہے؟ تم سنی کو جانتی ہو کبھی دربید بخت کو سمجھو نا۔"

"میں لعنت بھیجتی ہوں تم سمیت سنی اور دربید بخت پر ..... سمجھے تم ....؟"

"اتنی دور سے اتنی بڑی بات کیسے سمجھ سکتا ہوں ذرا قریب آؤ تو شاید سمجھ جاؤں۔"

"شٹ اپ۔" وہ دھاڑی۔

"تھینکس تمہاری تعریف سن کر فینڈ آنے لگی ہے مجھے ..... تمہارے آرام کے خیال سے میں ساری رات بے آرام رہا ..... حالانکہ ..... تھینکس تمہیں کہنا چاہیے تھا۔" دربید پر سکون انداز میں کروٹ بدل کر کمبل دوبارہ تان چکا تھا اور وہ قہر بھری نظروں سے اسے تکتی ہوئی اس کے مرنے کی دعائیں کرنے لگی۔

☼ ☼ ☼

سردی پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی تھی۔ یا اسے گاؤں کی کھلی آب و ہوا میں زیادہ محسوس ہو رہی تھی ..... فاطمہ نے اس کے سوٹ کیس میں سویٹرز' جرابیں اور شالیں بھی رکھ دی تھیں۔ گھر میں سب سے زیادہ لحاظ بھی اسے ہی لگا کرتی تھی ..... عمائمہ نے سویٹر' سوکس نکال کر پہننے اور شال کو اچھی طرح اپنے گرد لپیٹ کر باہر نکل گئی۔

اتنی بڑی حویلی جا بجا کمرے اور راہداریاں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کون سا راستہ کس طرف جاتا ہو گا۔ معاً" وہ کھٹکے کی آوازیں سن کر اس سمت چل پڑی۔ راہداری کے بعد بڑا سا ہال نما کمرہ تھا۔ جس کے چار اطراف بڑی بڑی خوب صورت کھڑکیاں نظر آئیں قدیم طرز کا عمدہ فرنیچر ..... ماضی کی ان گنت داستانیں سنا رہا تھا ..... ہال نما کمرے کے دائیں جانب اسے کچن کا دروازہ نظر آیا ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ اسے عجیب سے خوف نے اپنی لپیٹ میں لیا تو وہ تیز قدموں سے کچن کی جانب بڑھی۔

اندر انو جان' بانو اور نوری کے ساتھ کچھ پکوانے میں مصروف نظر آئیں عمائمہ نے آگے بڑھ کر انہیں سلام کیا تو انو کے ساتھ ساتھ نوری اور بانو نے بھی اسے حیرت سے دیکھا۔

"میں صدقے جاؤں ..... میری بچی اتنی جلدی اٹھ گئی۔"

"میں چھ بجے ہی اٹھتی ہوں دراصل امی نے بچپن ہی سے صبح نماز کے لیے اٹھنے کی عادت ڈال دی تھی۔"

"ماشاء اللہ ..... ایسی نیک عورتیں اپنے بچوں کی ایسی ہی تربیت کرتی ہیں۔" انہوں نے عمائمہ کی پیشانی چومی۔

"انو آپ اتنی بڑی حویلی میں بالکل تنہا اور اکیلی

کیسے رہ لیتی ہیں؟ آپ کو ڈر نہیں لگتا؟" عمائمہ کی حیرت پر وہ دھیرے سے مسکرائیں اور اس کا ہاتھ تھام کر ڈائننگ ٹیبل کی طرف بڑھیں۔

"میری بچی جب تنہائی دل اور روح میں بسیرا کرلے تو پھر اس سے ڈر نہیں لگتا۔" ان کے لہجے میں اذیت ہی اذیت تھی۔ عمائمہ کو ان کے جھریوں زدہ چہرے پر زندگی کی طویل تھکن اور سفید بالوں میں زمانے کی جابجا سیاہ تلخیاں نظر آئیں۔

"اس تنہائی کا اور میرا تو چولی دامن کا ساتھ ہے اب تو نہ میں اسے چھوڑ سکتی ہوں اور نہ یہ مجھے۔"

"انو میں کچھ سمجھی نہیں۔۔۔؟"

"میری بچی۔۔۔ تمہیں اپنی تنہائیوں کے کون سے عذاب بتاؤں۔ جب میں اس گاؤں شہداد نگر سے بیاہ کر گئی تھی تو اپنے والدین کی تنہا اولاد تھی۔۔۔۔ بچپن سے یہ کم بخت تنہائی سائے کی طرح میرا پیچھا کرتی رہی زندگی میں اتنے لوگوں نے ساتھ چھوڑا پر یہ آج بھی میرے ساتھ ہے۔ ورید پتر کے تایا مجھ سے اٹھارہ سال چھوٹے تھے۔ جب دل کی امنگیں جوان تھیں تو سلطان بخت بچہ تھا شروع شروع میں وہ مجھے باجی کہا کرتا تھا اللہ جنت نصیب کرے میری ساس اسے ڈانٹا کرتیں رفتہ رفتہ اس نے مجھے باجی کہنا تو چھوڑ دیا مگر اپنے دل کی مٹی کو میرے لیے کسی اور رنگ میں نہ بدل سکا۔

وہ شہر کے مشہور اسکول و کالج میں پڑھتا تھا۔ جب وہ گھبرو جوان ہوا تو میرے بالوں میں چاندی اور جذبوں پر بڑھاپے کا سایہ پڑ رہا تھا۔۔۔۔ وہ کبھی کبھار چھٹیوں میں آتا تو اسے دیکھ کر دل کی زمین کو سیراب کرلیتی ہمارے زمانے میں خاندان سے باہر شادی کا رواج نہ تھا میرے والد اور میرے سسر چچا زاد بھائی تھے میرے جوڑ کا لڑکا پورے خاندان میں نہ تھا۔ میں چونکہ اپنے والدین کی واحد اولاد تھی اور پورے ساٹھ مربعوں کی اکلوتی وارث تھی۔ سو جائیداد بچاتے بچاتے میری جوانی کا جنازہ کسی نے نہ دیکھا۔

سلطان بخت نے نوجوانی میں ہی عیاشیاں شروع کر دیں۔۔۔ میں تو کبھی انہیں یاد نہیں آتی تھی۔ ہاں جب کبھی عیاشی کے لیے روپے پیسے کی زیادہ ضرورت ہوتی تو میرے مربعوں اور باغات کی آمدنی کا حساب کتاب لینے آجاتے غلط دوستوں کی دوستی نے انہیں بازار حسن کی گلیوں کا ایسا راستہ دکھایا کہ بے بہا دولت اور زمین و جائیداد ایک طوائف مہک جان پر لٹانے لگے۔

میرے سسر کو پتا چلا تو انہوں نے سلطان بخت کو عاق کرنے کی دھمکی بھی دی۔ مگر جب دل میں عشق کی آگ بھڑک رہی ہو تو زمانے کی تیز ہواؤں سے ڈر نہیں لگتا بخت عالم ان دنوں انگلستان پڑھنے گیا ہوا تھا۔

ایک دن مہک جان نے سلطان بخت کو اتنا مدہوش کر دیا کہ واپس حویلی آتے شدید ایکسیڈنٹ میں زندگی کی بازی ہار بیٹھے۔۔۔ اور پھر یہ سفید دوپٹہ ہمیشہ کے لیے میرا مقدر بن گیا۔ بخت عالم کی شادی بھی نہایت کم عمری میں میرے ساس سسر نے اپنے خاندان ہی میں امیراں بیگم سے کردی تھی۔

سید بخت عالم کو شروع سے ہی سیاست میں دلچسپی تھی زیادہ تر شہر میں رہنے کو ترجیح دیتا۔ میری ساس تو اپنے جوان بیٹے سلطان بخت کو ہی روتی مر گئیں پھر سسر بھی فالج کے باعث کئی سال محتاج کی زندگی جیتے رہے ایک دن وہ بھی اللہ کو پیارے ہوگئے اور میں جو عدت کے بعد اپنی ساس سسر کی خدمت میں وہیں نور پور گاؤں ان کے پاس رک گئی تھی۔

خالی دل اور خالی جھولی کے ساتھ واپس شہداد نگر آگئی۔ چند عرصے کے بعد میرے بوڑھے والدین بھی زندگی کی بہاریں دیکھ کر ابدی نیند جا سوئے اور میں اس حویلی میں اکیلی زمین و جائیداد کے بکھیڑے سلجھانے لگی پھر اللہ کے حکم سے ورید یہاں میرے پاس آگیا بچپن میں ہمیشہ میری گود میں آکر چھپتا تھا اللہ نے ہمیشہ کے لیے میری سونی گود میں چھپا دیا۔۔۔ زمین و جائیداد کے تمام مسئلے مربعوں کی آمدنی سب کچھ میں نے ورید کو سونپ دیا۔ یہ اپنی سمجھداری سے گندم، چاول، کینوں اور دیگر چیزیں دبئی بھجوانے لگا اللہ نے اس تجارت میں خوب برکت ڈالی اور کام بڑھتا چلا گیا۔

میں تو اب زندگی کے دن اپنے اللہ کی یاد میں پورے کر رہی ہوں۔۔۔ بہت سالوں سے ورید پتر کو شادی کے لیے اکسا رہی تھی۔ ہر بار یہ ہنس کر ٹالتا رہا۔ اپنے مولا سے ہر نماز تہجد میں اپنے پتر کے لیے نیک صالح بیوی کی دعائیں مانگتی تھی اور اللہ نے میری دعا سن لی۔" انہوں نے ایک طویل سانس لے کر محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"دل میں نہ جانے کب سے دکھوں نے ڈیرے ڈال رکھے تھے تم جیسی اچھی بیٹی ملی تو اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرلیا۔" نوری اور بانو اپنے کاموں میں مصروف تھیں انو کی آنکھوں میں زندگی کی لمبی مسافت تھکن بن کر اتری ہوئی تھی۔

"انو جان ماؤں کے دکھ ہمیشہ بیٹیاں ہی سنا کرتی ہیں اب آپ کو ایک بیٹی مل گئی ہے جو آپ کی ہر تنہائی دور کردے گی۔" فطری طور پہ عمائمہ ایک نرم مزاج لڑکی تھی کسی کے ذرا سے غم پر پسیج جانے والی۔

"سدا سکھی رہو میری بچی تم ایک نیک سیرت ماں کی نیک سیرت اولاد ہو۔ میرا ورید بہت نصیب والا ہے اسے تم جیسی باحیا باکردار شریک حیات کا تحفہ ملا۔۔۔ دراصل ورید کو میرے ہاتھ کا کچریلا بہت پسند ہے۔ نوری اور بانو یہیں حویلی میں میرے پاس ہی ہوتی ہیں انہیں ساتھ لگا کر اپنے پتر کے لیے کچریلا بنوا رہی تھی۔ بانو نے آٹا گوندھ کر رکھ دیا ہے۔ جب ورید یہاں میرے پاس آتا ہے تو فرمائش کر کے دیسی گھی کے پراٹھے کے ساتھ بھنے ہوئے قیمے کا ناشتا کرتا ہے۔"

انو جان مسکراتے ہوئے اسے تفصیل بتا رہی تھیں اور عمائمہ بے دلی سے مسکرانے کی ناکام سی کوشش کرنے لگی۔

"مزاج کا تھوڑا سخت سہی پر دل کا برا نہیں ہے۔"

"مجھے تو دل سمیت پورے کا پورا برا ہی لگتا ہے۔" عمائمہ کے دل نے سرگوشی کی۔

"تھوڑا ضدی ہے۔۔۔ پیار سے بات کرو تو سب کچھ لٹانے پر تیار ہو جائے گا غصہ کروں تو جیسے بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال لیا ہو۔" انو جان اس کے مزاج کے بارے میں عمائمہ کو معلومات دے رہی تھیں۔ ان سے باتوں میں وقت کا پتا ہی نہ چلا۔

نوری اور بانو اب ناشتا تیار کر رہی تھیں۔

"عمائمہ میری بچی۔۔۔ جا کر ورید کو جگا دو۔" کچریلے اور بھنتے ہوئے قیمے کی اشتہا انگیز خوشبو عمائمہ کی بھوک کو جگا رہی تھی۔ وہ سر ہلا کر کچن سے نکل آئی۔ گھڑی پونے دس بجا رہی تھی اور وہ گہری نیند سو رہا تھا۔

"سنو اب اٹھ جاؤ۔۔۔" عمائمہ نے آواز دی۔ جواباً اس کے کان پر جوں بھی نہ رینگی۔

"تمہیں انو بلا رہی ہیں۔" اب کے بلند آواز میں پکارا گیا۔ عمائمہ نے جھنجلا کر اس کے پاؤں ہلائے۔ وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

"یہ میری دعائیں (اس کے مرنے کی) اتنی جلدی کب سے قبول ہونے لگیں۔۔۔؟" وہ حیرت و بے یقینی سے اس کے سرہانے آکھڑی ہوئی۔

"دس بجے رہے ہیں اب اٹھ جاؤ۔۔۔۔" اس نے تقریباً چلاتے ہوئے یاد دلایا۔۔۔ وہ اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔۔۔ عمائمہ نے آہستگی سے قدرے جھک کر اس کی نبض چیک کرنی چاہی تو اگلے ہی پل ورید نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا۔ اس ناگہانی آفت پر وہ کیا خاک سنبھلتی سیدھی اسی کے اوپر جا گری۔ دل کی حالت جو غیر ہوئی سو ہوئی مارے غصے کے اس کا سانس پھول گیا۔

"یہ کیا حرکت ہے۔۔۔۔" ٹوٹے پھوٹے لہجے میں بمشکل جملہ ادا ہوا۔

"یہ Good morning کہنے کا انداز ہے میرا۔" آنکھوں کی شرارت لبوں سے عیاں ہوئی۔۔۔۔ وہ تھا بھی تو اس کے اتنے قریب کہ۔۔۔ اس کی سانسیں عمائمہ کے چہرے کو چھونے لگیں۔

"ایسے گھٹیا انداز صرف تمہارے ہی ہو سکتے ہیں چھوڑو مجھے۔" وہ غرائی۔

"شکر کرو میں نے تمہاری مشکل آسان کردی

میرے سرہانے کھڑی دور ہی سے میری موت کے اندازے لگا رہی تھیں تم۔۔۔ میں نے سوچا قریب سے باور کروا دیا جائے کہ میں زندہ سلامت ہوں۔"

"میری بلا سے 'مرو یا جیو۔۔۔ چھوڑو مجھے۔"

"اتنی جلدی بھی کیا ہے میری جان۔" درید نے اس کی ستواں ناک میں چمکتی ننھی سی لونگ کو چھوا۔

"چھوڑو مجھے۔۔۔" عمائمہ نے اپنے ناخن اس کے ہاتھ کی پشت پر چبھوئے۔۔۔ سی کی آواز کے ساتھ اس کے ہاتھوں کی گرفت ذرا سی ہلکی ہوئی اور عمائمہ موقع غنیمت جان کر جلدی سے اٹھی۔

"تم تو غصیلی ہونے کے ساتھ ساتھ اچھی خاصی زہریلی بھی ہو۔" اس نے اپنا ہاتھ سہلاتے ہوئے شاکی نظروں سے دیکھا۔

"تمہیں اگر جیتنے کا اتنا شوق ہے تو مجھے بھی ہارنے کی عادت نہیں ہے۔" اپنے گرد شال لپیٹتے ہوئے وہ باور کرواتے لہجے میں بولی۔

"یعنی ہماری ازدواجی زندگی خاصی دلچسپ اور خوشگوار انداز میں گزرے گی۔" بستر چھوڑتے ہوئے اس کی خوشی کا اظہار عمائمہ کو اندر تک تپا گیا۔

"انو جان ناشتے کے لیے بلا رہی ہیں۔" رکھائی سے پیغام دہرایا گیا۔

"یہیں بھجوا دیتیں تو اچھا تھا۔ تمہیں اپنے ہاتھوں سے کھلاتا۔" اس کی مسکراہٹ نے عمائمہ کے زخموں پر نمک کا کام کیا۔

"تمہارے ہاتھوں سے تو میں صرف زہر ہی کھا سکتی ہوں۔"

"بچ بچ اور وہ یہاں دستیاب نہیں ہے۔" اس کے زچ کرنے والے انداز پر بے بسی سے عمائمہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ ایک نظر اس پر ڈالتا واش روم کی جانب بڑھ گیا۔

☼ ☼ ☼

"واہ مزا آ گیا۔ ایسی لذت اور ناشتے کا ایسا مزا مجھے دنیا کے کسی کونے میں نہیں ملا۔" وہ پراٹھے اور بھنے ہوئے قیمے کے بعد گجریلے سے انصاف کر رہا تھا۔

"بس بس اب زیادہ مکھن لگانے کی ضرورت نہیں۔" انو مسکرائیں۔

"آئی سویئر انو میں سچ کہہ رہا ہوں۔۔۔ کیوں عمائمہ؟" درید نے لقمہ توڑتی عمائمہ کو اچانک مخاطب کیا۔

"جی۔۔۔ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ۔۔۔" اس نے بمشکل لہجے کو نارمل رکھا۔۔۔ اور درید لفظ آپ پر مسکرایا۔

"اچھا پتر تم کہتے ہو تو مان لیتی ہوں۔" انو جان نے محبت و شفقت سے اس کے کندھے پر ہاتھ پھیرا۔۔۔ لیکن نظریں جونہی اس کے ہاتھ کی پشت پر پڑیں تو چونک اٹھیں۔

"درید پتر یہ زخم کیسا ہے؟"

"یہ زخم۔۔۔؟" درید نے زیر لب مسکراتے۔ کن انکھیوں سے عمائمہ کو دیکھا۔

"کسی زہریلی چیونٹی نے کاٹ لیا تھا۔" اس نے عمائمہ کو دیکھ کر آنکھ ماری۔ وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھانے لگی۔

"ہائے میں تو ہر تیسرے دن نوری سے ہرمل اور گلوگل کی دھونی دلواتی ہوں پھر یہ زہریلے کیڑے مکوڑے جانے کہاں سے آ گئے۔" وہ فکر مند ہوئیں۔

"انو آپ کیڑے مکوڑوں کی بات کرتی ہیں۔ ہمارے اردگرد ایسے کئی لوگ ہوتے ہیں جنہیں ہم بے ضرر سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں لیکن موقع ملتے ہی ایسا زہر اگلتے ہیں کہ بندہ پانی کو ترستا ہے۔" نظریں اب بھی عمائمہ کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"پتر تم نے کوئی دوا لگائی۔"

"انو اب تو دوا کی بجائے دعا ہی کام آ سکتی ہے۔"

"یہ کیا اول فول کہے جا رہے ہو؟ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا عمائمہ میری بچی یہ تو سدا سے اپنے معاملے میں لاپروا ہے تم ہی کو اس کا خیال رکھنا پڑے گا۔"

"خیال۔۔۔ یہ تو زخم دینے والوں میں سے ہیں۔" وہ بڑبڑایا۔

"انو دراصل میں نے بھی ابھی دیکھا ہے۔" عمائمہ نے لڑکھڑاتے لہجے میں جواب دیا۔

"مائے سویٹ انو۔۔۔ اب اپنی دعاؤں کے ساتھ مجھے اجازت دیجیے لاہور جا رہا ہوں ایک ضروری کام سے رات تک واپس آ جاؤں گا۔"

"تو پتر عمائمہ کو بھی ساتھ ہی لے جاتے یہاں بے چاری مجھ بڑھیا کے ساتھ سارا دن بور ہوتی رہے گی۔"

"انو آج بہت پرسنل کام ہے۔ ارسل نے بلوایا ہے ایک آدھ دن تک لے جاؤں گا آپ کی بہو کو۔"

"اچھا میرے پتر خیر سے جاؤ۔" اس نے جھک کر انو جان سے پیار لیا۔ پھر عمائمہ سے مخاطب ہوا۔

"کوئی پرابلم ہو تو مجھے کال کر لینا۔" انو جان آنکھیں بند کیے اس کے لیے سفر کی دعا اور دیگر قرآنی آیات پڑھنے لگیں۔

گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی اور پھر وہی خاموشی چھا گئی انو نے آنکھیں کھول لیں۔

"میری بچی! شادی سے پہلے عورت انار کی ٹہنی کی طرح سخت اور کھردری ہوتی ہے۔۔۔ مگر جونہی "ٹہنی" پر پھل لگتا ہے خود بخود اس ٹہنی میں لچک آ جاتی ہے اور وہ جھک جاتی ہے۔ ماشاء اللہ سے تم ایک سیانی بیاہتا لڑکی ہو۔۔۔ مگر تمہارے چہرے پر وہ خوشی وہ چمک مجھے نظر نہیں آتی کیا بات ہے؟ اگر درید نے کچھ کہہ دیا ہے تو مجھے بتاؤ ایسی تو بہ کروا دوں گی کہ یاد رکھے گا؟" انہوں نے جانچتی نظروں سے عمائمہ کو دیکھا۔

"نن نہیں انو۔۔۔ ایسی بات نہیں ہے۔ ذرا طبیعت میں بوجھل پن سا ہے اور تو کوئی بات نہیں۔" عمائمہ نہ جانے کیوں انہیں مسکراتے ہوئے مطمئن کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ شاید وہ ان کے بڑھاپے کو اندیشوں اور وسوسوں کے حوالے نہیں کرنا چاہتی تھی۔ جنہوں نے تمام عمر اپنے اندر باہر کی تنہائی میں زندگی کے ایام کاٹ دیے تھے۔

"اللہ کرے میری بچی۔۔۔ جیسے تم کہہ رہی ہو ویسے ہی ہو۔" وہ خود کلامی کے انداز میں بولیں۔

"انو میں واقعی بہت خوش ہوں۔" دل تھا کہ پاتال میں جھوٹی تسلی پر وہ خود بھی حیران تھی وہ خوش نہیں تھی۔ دل چیخ رہا تھا مگر لب کہہ رہے تھے وہ بہت خوش ہے وہ اپنے اندر کے سچ کو کیوں جھوٹ بنا رہی تھی؟ اس نے تو کبھی زندگی میں جھوٹ نہیں بولے تھے۔۔۔ اور آج وہ کیسے جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ ثابت کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"کیوں؟" دل نے تڑپ کر سوال کیا تھا۔ اور اندر کی عورت تلخی سے مسکرائی تھی۔ "پاگل 'عورت کے پاس بھلا واپسی کا راستہ کب ہوتا ہے؟ اسے تو جھوٹے وعدوں' تسلیوں' اور فریبی محبتوں کی انگلی تھما کر بیچ راستے میں چھوڑ دیا جاتا ہے اور آگے کا راستہ اسے یونہی خود سمیت دوسروں کو دھوکا دے کر طے کرنا پڑتا ہے۔" شاید وہ بھی ایک ایسے ہی راستے پر پاؤں رکھ چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ہاں اب بتا کس ارجنٹ کام کے لیے تو نے بلایا ہے مجھے؟" وہ ارسل کے فلیٹ میں بیٹھا تھا۔

"آج کل پڑوسی ملک سے ثقافتی وفد آیا ہوا ہے اس ثقافتی وفد میں وہاں کی مشہور ماڈل اور ایکٹرس بھی شامل ہے۔ ریٹ تو اس کا بہت ہائی تھا لیکن میں نے مک مکا کر کے آج رات کے لیے اسے بک کروا لیا ہے۔" ارسل نے سنی کو تفصیل بتائی۔

"دھت تیرے کی۔۔۔ یہ بکواس تو فون پر بھی کر سکتا تھا۔ منہ سے پھوٹا کیوں نہیں' جب میں بار بار تجھ سے پوچھ رہا تھا۔" سنی نے ایش ٹرے میں سگریٹ مسلا۔

"یار تجھے سرپرائز دینا چاہتا تھا میں پر تیرا چہرہ بتا رہا ہے تجھے یہ سرپرائز کچھ خاص پسند نہیں آیا۔" ارسل نے بے تکلفی سے اس کے کندھے پر دھپ رسید کی۔

"یار۔۔۔ آج پتہ نہیں کیوں حرام کھانے کا موڈ نہیں ہو رہا۔" سنی کے لہجے میں اکتاہٹ تھی۔

"کہیں بیوی نے زیادہ "ہیوی ناشتا" تو نہیں کروا

دیا۔ "ارسل اپنی ہی بات پر قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"بیوی کی طرف سے تو پہلے ہی دن بھوک ہڑتال کا نوٹس مل گیا تھا مجھے۔" سنی کی بے چارگی پر ارسل کے حلق سے دوسرا قہقہہ برآمد ہوا۔

"یعنی تیری لائف اسٹوری ان دنوں اپنے کلائمکس پر ہے؟"

"اب زیادہ بکواس مت کر اور اپنے یہ منحوس دانت مجھے مت دکھا ورنہ ایک آدھ تڑوا بیٹھے گا میں آل ریڈی بہت اپ سیٹ ہوں۔" سنی نے دوسرا سگریٹ منہ میں دبایا۔

"تو میری جان تیری ٹینشن دور کرنے کے لیے ہی تو اس کو اتنی بڑی رقم کے ساتھ بک کیا ہے۔" ارسل نے تسلی آمیز لہجے میں دوستی کا حق جتایا۔

"یار ارسل یہی تو فرق پایا ہے میں نے گرل فرینڈ اور بیوی میں۔۔۔ گرل فرینڈ جھوٹی تعریف اسٹیٹس اور پیسے کے لالچ میں بہت جلد مرعوب ہو جاتی ہے۔ لیکن بیوی! توبہ یار حساب کتاب کو وہ کھاتا ہے جسے ایمان داری اور سچ سے بھر کے بھی بندہ مسلسل خسارے میں ہی رہتا ہے اور میرا تو ابھی پچھلا کھاتا ہی کلیئر نہیں ہو پا رہا۔" سنی کی بے بسی اپنے عروج پر تھی۔

"یار چھوڑ گھر اور گھر والی کے چکر کو کیا فرق پڑتا ہے تو باہر کہیں بھی کچھ بھی کھا پی لے۔۔۔ بھابی کو کیا پتا چلے گا؟" ارسل اسے کسی بھی صورت میں روکنا چاہتا تھا۔

"ایک مرد اور عورت کے بیچ جائز اور روایات کے مطابق تسلیم شدہ یا ہی تعلق اس کائنات کا سب سے حسین رشتہ ہے اسے تعلق میں بدلنا، کفرانِ نعمت کے مترادف ہے۔ شادی محض ایک نام نہیں ہے یار یہ ایک سماجی معاہدہ ہے۔ اگر اس انتہائی اہم رشتے کو محض اعتماد توڑنے کا دو سرا نام دے دیا جائے تو پھر۔۔۔ کوئی رشتہ باقی نہیں رہتا۔ اور رہی بات کچھ بھی چوری چھپے بیوی سے کھا پی لینے کی تو میرے یار پرندہ اپنی پرواز تھکنے ہی اونچی کر لے آتا وہ واپس اپنے ٹھکانے پر ہی

ہے۔

ایک زانی اور شرابی مرد اپنی گندگی کو اپنے ہی گھر آکر دھوتا ہے۔ تو ابھی نہیں سمجھے گا۔۔۔ ایک مرد کے لیے یہ احساس ہی بڑا فرحت انگیز ہوتا ہے کہ اس کے گھر میں ایک باحیا اور وفادار بیوی اس کی منتظر ہو کی میرے باپ نے چار شادیاں کیں۔ لیکن کسی عورت کی کشش اور گھر کا سکون اس کے پاؤں میں زنجیر نہ ڈال سکا میں جانتا ہوں وہ میری منتظر نہیں ہو گی لیکن ایک یہ احساس بھی تو ہے کہ ایک وفادار اور پاکیزہ بیوی میرے نام کے ساتھ میرے گھر میں بیٹھی ہے وہ گھر وہ حویلی جہاں آج سے پہلے کبھی پہنچنے کی مجھے جلدی نہیں ہوا کرتی تھی۔ میں جانتا ہوں کہ وہ میری شکل دیکھنے کی بھی روادار نہیں۔ لیکن میری نظریں ہیں کہ بار بار اسے اپنے آس پاس ڈھونڈتی ہیں مجھے نہیں پتا ارسل! ایک باحیا باکردار عورت میں کیسی کشش ہوتی ہے۔"

"اوئے گھامڑ الو۔۔۔ تجھے وہ مرض تو لاحق نہیں ہو گیا جسے عرفِ عام میں لوگ محبت کہتے ہیں۔"

"میں نہیں جانتا یار وہ خوامخواہ اچھی لگنے لگی ہے" دل چاہتا ہے اس سے بیویوں والے ناز اٹھوا کر دیکھوں لیکن ہے بہت ٹیڑھی کھیر آسانی سے قابو آنے والوں میں سے نہیں ہے۔ خیر بیوی بنا لیا ہے ایک دن محبت بھی ڈال ہی دیں گے اس کے دل میں۔" سنی کے لہجے میں بلا کا یقین تھا۔۔۔ سو ارسل سے معذرت کر کے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔۔۔ دن تو جو غارت ہوا سو ہوا۔ اس نے گاڑی صادق منزل کی جانب موڑ لی۔

پہلے وہ ایک اسٹوڈنٹ کی حیثیت سے وہاں جاتا تھا اب ایک داماد کی حیثیت سے وہاں جاتا اسے عجیب روحانی خوشی سے دوچار کر رہا تھا۔ دروازہ صادق صاحب نے کھولا۔ سامنے درید کو دیکھ کر بے ساختہ اسے گلے سے لگایا۔ درید نے انہیں سلام کیا۔

"جیتے رہو بیٹا۔۔۔ ماشاء اللہ بڑی عمر ہے تمہاری گھر میں ابھی تمہارا ہی ذکر ہو رہا تھا۔"

"سر دیکھ لیجیے آپ نے یاد کیا اور میں حاضر ہو گیا۔"

"مجھے سر کہنے کی بجائے عمائمہ کی طرح اگر بابا کہو گے تو مجھے زیادہ اچھا لگے گا۔۔۔ اور یہ عمائمہ نظر نہیں آ رہی۔۔۔؟"

"ایکچوئلی میرا اچانک ہی لاہور آنے کا پروگرام بن گیا۔۔۔ تو میں نے سوچا آپ سب سے بھی ملتا جاؤں۔"

"کیوں نہیں بیٹا تمہارا اپنا گھر ہے جب دل چاہے آؤ۔"

وہ صادق صاحب کے ساتھ اتنے سالوں میں پہلی بار ڈرائنگ روم کی بجائے گھر میں داخل ہوا۔

"ارے نسرین کہاں ہو؟ دیکھو کون آیا ہے؟"

کچن سے ہاتھ پونچھتی نسرین بیگم بھی اسے دیکھ کر مسکرائیں درید نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے بھی پیار سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔

"کیسے ہو بیٹا! اور عمائمہ کیسی ہے؟۔۔۔ سب خیر ہے نا۔۔۔ حویلی میں۔"

"آپ کی دعائیں ہیں ماں جی! اور آپ کی صاحبزادی بھی بالکل ٹھیک ہے آپ سب سے دل چاہا تو ملنے چلا آیا۔"

"کیوں نہیں بیٹا۔۔۔ جم جم آؤ سو بار آؤ۔۔۔ اللہ خیر سے لائے تمہیں۔" نسرین بیگم کی شفقت اور خلوص پر درید کے اندر اک ہوک سی اٹھی (یہ بھی تو ایک ماں ہیں کاش میری ماں بھی ایسی ہی ایک سادہ، محبتوں سے گندھی ہوئی عورت ہوتی جو محلوں کے خواب دیکھنے کی بجائے ایک چھوٹے سے گھر کو امن و سکون کا گہوارہ بنا کر رکھتی۔۔۔)

"درید بیٹا تم کھڑے کیوں ہو۔۔۔ بیٹھو نا۔" صادق صاحب نے برآمدے میں رکھی چیئر گھسیٹ کر اسے بیٹھنے کو دی۔

"نہیں بابا مجھے شرمندہ مت کیجیے آپ تشریف رکھیے میں بیٹھ جاتا ہوں۔" درید نے ندامت کے احساس سے چیئر پر انہیں بیٹھنے کی آفر کی۔۔۔ اور جب تک پروفیسر صاحب بیٹھ نہ گئے وہ یونہی کھڑا رہا۔

"درید بیٹا۔۔۔ کھانا لگاؤں یا چائے لو گے؟" درید، صادق صاحب کے سامنے بیٹھ چکا تھا۔۔۔ نسرین بیگم کا تو بس ہی نہ چل رہا تھا۔

"ماں جی، کچھ بھی زحمت مت کیجیے گا میں تو آپ سب کا حال احوال پتا کرنے آیا تھا۔"

"بیٹا ویسے تو کھانے کا وقت ہے میں دسترخوان لگواتی ہوں مجھے پہلے پتا ہوتا تو تمہارے لیے کچھ خاص بنا لیتی۔۔۔ آج تمہارے بابا کی فرمائش پر دال گوشت اور چاول بنائے تھے۔" نسرین بیگم اسے تفصیل بتا رہی تھیں۔

"کوئی بات نہیں ماں جی۔۔۔ جو کچھ بنا ہے میں شوق سے کھا لوں گا۔"

اس چھوٹے سے گھر میں کتنا سکون تھا صاف ستھرا پاکیزہ سا ماحول اتنے میں تینوں لڑکیاں بھی آ گئیں۔۔۔ سلام دعا کے بعد فوراً دسترخوان لگانے میں جت گئیں۔۔۔ شانوں پر دوپٹے پھیلائے ہوئے نہایت سلجھی ہوئی ان تینوں کو دیکھ کر درید کو اپنی سوتیلی بہنوں کا خیال آیا۔ جو باپ کی شہرت کو چار چاند لگانے میں ایک دوسرے سے پیچھے نہ۔۔۔ تھیں۔۔۔ کھانے کے دوران بھی وہ صادق صاحب سے ان کی دوائیوں کے متعلق پوچھتا رہا۔

نسرین بیگم بار بار اصرار کر کے اسے کھلا رہی تھیں سادہ سے کھانے میں بھی خوب لذت تھی۔۔۔ اس نے سیر ہو کر کھایا۔

"درید بھائی آپ عمائمہ آپی کو کب لے کر آئیں گے؟ میں بہت مس کر رہی ہوں انہیں۔" آمنہ سے زیادہ دیر تک صبر نہ ہو سکا۔

"میری چھوٹی بہن تم کہو تو ابھی لے آؤں تمہاری آپی کو؟"

"نہیں اب اتنی بھی کوئی ایمرجنسی نہیں ہے۔" آمنہ کی بات پر وہاں بیٹھے تمام لوگوں کی ہنسی چھوٹی۔ اور پھر درید کی بے تکلفی اور صادق منزل کے مکینوں کے خلوص میں کب وقت کی سوئیاں آگے ہو گئیں اسے خود بھی احساس نہ ہوا درید ان سب سے اجازت لے کر نکلنے لگا تو نسرین بیگم نے چند آیات کا ورد کر کے اس پر پھونکا۔

"اللہ تمہیں اپنے حفظ و ایمان میں رکھے۔ بیٹا رات کا سفر ہے پہنچ کر ضرور اطلاع کرنا۔۔۔ ہمیں فکر

رہے گی۔" ان کی محبتوں پر دل تھا کہ دہائی دینے لگا۔

"میں نے کب غلط اور غلیظ والدین کی خواہش کی تھی اے کاش مجھے بھی اللہ نے کسی ایسے ہی سفید پوش گھر میں پیدا کیا ہوتا۔" سوچیں تھیں کہ دکھوں کا روپ دھار رہی تھیں۔ وہ راستے میں ایک سگنل پر رکا تو دھیان عمائمہ کی جانب چلا گیا۔ اندر کی اذیتیں، تلخیاں دھیرے دھیرے ایک دھیمی سی مسکراہٹ میں ڈھلنے لگیں۔۔۔ کیسے حادثاتی طور اس کی اجاڑ ویران اور ساکت زندگی میں شامل ہو کر ہلچل سی مچا دی تھی عمائمہ نے۔

"معا" ورید کا دل چاہا کہ وہ اس کے لیے کچھ خرید کر حویلی جائے اس کے جلے کٹے انداز دل میں خوشی کے جگنو سے جگمگانے لگے ورید نے پہلی بار ارسل کی کسی ایسی دعوت کو ریجیکٹ کیا تھا۔۔۔ عمائمہ کی وجہ سے اور کیوں کیا تھا؟ وہ یہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔

اس نے بیئر کے گلاس کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔۔۔ عمائمہ اس مدہوشی کے جام سے کہیں زیادہ مدہوش کر دینے والی چیز ثابت ہو رہی تھی اسے نہ پی کر بھی محض اسے سوچنے سے ایک سرور سا مل رہا تھا ورید کو۔۔۔ راستے میں ایک مشہور شاپنگ سنٹر دیکھ کر اس نے گاڑی پارک کی اور اندر بڑھ گیا۔ اپنے تمام فیورٹ کلرز کے اس نے عمائمہ کے لیے سوٹ خریدے میچنگ بیگز، چند اسٹائلش سے شوز بھی لیے۔۔۔ انو کے لیے اس نے ایک نفیس سی گرم شال بھی خریدی۔ شاپنگ پر بھی گھنٹہ تو لگ ہی گیا تھا۔ جب وہ لاہور سے نکلا تو رات کے گیارہ بج رہے تھے۔

سردیوں کی طویل اور خاموش راتوں نے دھند کی دبیز چادر اوڑھ رکھی تھی آج وہ ڈرائیور یا گن مین کے بغیر ہی نکل آیا تھا اللہ احتیاط انداز میں دھندلی رات کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ گاؤں پہنچتے پہنچتے ڈیڑھ بج گیا جب وہ ہال کمرے میں آیا تو انو کو فکر مندی سے اپنے لیے جاگتا ہوا پایا۔

"انو آپ سوئی نہیں۔۔۔"

"تمہاری فکر میں نیند کہاں آ رہی تھی مجھے پتر اتنی دیر لگا دی۔ کہاں رہ گئے تھے۔"

"انو واپسی پہ تھوڑی دیر کے لیے پروفیسر صاحب کے ہاں چلا گیا تھا پھر باقی کی کسر محترمہ کے لیے شاپنگ کرتے ہوئے پوری ہو گئی۔ یہ دیکھیے میں آپ کے لیے بھی شال لے کر آیا ہوں۔۔۔ بتائیے کیسی ہے؟" وہ وہیں ان کے پاس چیزوں کے ڈھیر لگائے انہیں خوشی سے دکھانے لگا۔

"بہت اچھی ہے پتر۔۔۔ اللہ میری ہو رانی کو نصیب کرے۔۔۔ تو نے اچھا کیا بیوی کے لیے کچھ لے کر آیا عورت کا دل بھی ایک خالی مکان کی طرح ہوتا ہے مرد کی توجہ اور محبت عورت کے دل کو ایک ہنستا بستا گھر بنا دیتی ہے یہ مکان زیادہ دیر تک خالی رہیں تو ان مکانوں میں تنہائیاں اور وسوسے بسیرا کر لیتے ہیں۔" ان کے اندر کا دکھ لہجے میں بول رہا تھا۔

"پتر عورت تو ایک باغ کی طرح ہوتی ہے۔ جس کو مرد کی وفا کا پانی مل جائے تو سارے باغ میں بہار اتر آتی ہے۔۔۔ عمائمہ بہت اچھی اور نیک بچی ہے نصیب والوں کو نیک بیویاں عطا کی جاتی ہیں اس کی قدر کرنا۔" انہوں نے پیار سے ورید کے بال سنوارے۔

"انو تھوڑا سا لیکچر میری زوجہ کے لیے بھی چھوڑ دیں۔ بھلا ہو جائے گا مجھ بے چارے کا۔" وہ شوخ ہوا۔

"نا ٹک کرتا ہے انجی انو سے بے چارے ایسے ہوتے ہیں؟" زیر لب مسکراتی انو نے خفگی دکھائی۔

"او کے انو۔۔۔" ورید شاپنگ بیگز اٹھا کر کمرے میں لایا تو وہ گردن تک کمبل تانے سو رہی تھی۔

وہ واش روم میں جاتا ایک لمحے کے لیے اس کے قریب رکا اور آگے بڑھ گیا۔ نیند کا غلبہ بھی تھا اور تھکن بھی۔۔۔ باہر چونکہ انو ابھی جاگ رہی تھیں۔۔۔ وہ سلیپنگ سوٹ میں وہیں بیڈ کے دوسری طرف سو گیا۔

صبح اپنے مخصوص وقت (فجر) پر رات کی نیند کا خمار کم ہوا تو عمائمہ نے کروٹ بدل کر انگڑائی لی ہاتھ قریب ہی سوئے ورید کے کندھے سے مس ہوئے تو اک

جھٹکے سے رہی سہی سستی بھی رفوچکر ہو گئی۔

"یہ۔۔۔ یہاں کیا کر رہا ہے؟" عمائمہ نے حیرت سے سلیپنگ سوٹ میں ملبوس ورید بخت کو دیکھا۔۔۔ جو گہری نیند کے مزے لوٹ رہا تھا۔

"تو کیا یہ ساری رات یہیں میرے قریب اس بستر پر سوتا رہا ہے؟" ذہن میں حیرت و بے یقینی سی جاگی۔

"جھوٹ رگ رگ میں بسا ہے اس شخص کے۔۔۔ جب یہ طے ہوا تھا کہ۔۔۔" غصے، نفرت سے اس کے دماغ کی نسیں پھولنے لگیں۔ عمائمہ نے اشتعال میں گہری نیند سوئے ورید کو جھنجھوڑا۔

"جلدی اٹھو یہاں سے۔۔۔"

"یار کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ؟ خواب میں تو اپنے ساتھ ہنی مون منا لینے دو مجھے۔" خمار میں ڈوبا ہوا جواب ملا۔

"مسئلہ تو تم نے میری زندگی کو بنا دیا ہے۔" عمائمہ کے چلانے پر اس نے آنکھیں کھول کر عمائمہ کے جلالی انداز پر غور کیا۔

"میں کچھ سمجھا نہیں ڈارلنگ صبح ہی صبح اتنی شدید گولا باری کی وجہ؟"

"سب سے بڑی وجہ تو تم ہو جس نے مجھے ایک عذاب میں دھکیل دیا ہے۔"

"اب کون سی آفت آ گئی ہے میری جان؟" اس نے تکیے سے ٹیک لگائی۔

"تم یہاں اس بستر پر کیا کر رہے تھے؟" لہجے میں بے پناہ غصہ تھا۔

"قسم سے سو رہا تھا۔ اور بہت اچھا خواب بھی دیکھ رہا تھا کہ تمہارے اس طبل نے جگا دیا۔"

"شٹ اپ جسٹ شٹ اپ۔" عمائمہ نے سر تھاما۔۔۔ وہ بھی چند ثانیے چپ ہوا۔۔۔

"جب ہمارے درمیان ایک بات طے ہوئی تھی تو یہ فاؤل کیوں۔۔۔؟"

"کیسا فاؤل؟ کسی اسٹیمپ پیپر پر سائن نہیں کیے تھے میں نے؟ خوش قسمتی سے شوہر ہوں تمہارا۔۔۔ کوئی ڈاکو یا لٹیرا نہیں تمام حقوق رکھتا ہوں میں تم پر اور جب چاہوں اپنے حقوق استعمال کر سکتا ہوں۔۔۔ مجھے تم سمیت کسی اجازت نامے کی ضرورت نہیں ہے سمجھیں تم۔" وہ بھی اب اسی کے انداز میں بولا تو اس کے الفاظ عمائمہ کے تن بدن میں آگ لگا گئے۔

"تم خود کو سمجھتے کیا ہو؟ جو چاہو گے وہی ہوتا چلا جائے گا؟ اپنے دن اپنی شامیں، شراب و عیاشی میں گزار کر رات کو میرے پاس آؤ گے تو میں ایسا کبھی ہونے نہیں دوں گی۔" وہ بپھری شیرنی کی طرح غضبناک ہو رہی تھی۔

"میں رات نشے میں نہیں تھا انو رات جاگ رہی تھیں میں تھکا ہوا تھا اس لیے یہیں سو گیا۔"

"بکواس کرتے ہو تم۔۔۔ جھوٹ بولتے ہو میں جتنا تم سے بھاگتی ہوں تم اتنا ہی مجھ سے ٹکراتے ہو۔"

"ہاں تو سمجھو نا تقدیر کے اس کھیل کو وہ ہمیں ملانا چاہتی ہے اور تم ہو کہ۔۔۔" ورید نے ہولے سے اس کے بالوں کو چھوا عمائمہ نے حسب سابق اس کا ہاتھ جھٹکا۔

"غصے میں اتنے غضب ڈھاتی ہو مجھ پہ۔۔۔ کہیں تمہاری محبت کا مظاہرہ دیکھ کر ہارٹ فیل ہی نہ ہو جائے میرا۔۔۔ دھیان رکھنا اس بات کا۔" انداز ہنوز تھا۔

"میری بلا سے کل کی بجائے آج مر جاؤ جان چھوٹ جائے گی۔"

"اچھا چھوڑو ان فضول باتوں کو۔۔۔ رات میں تمہارے لیے کچھ چیزیں خرید کر لایا تھا۔۔۔ دیکھ کر بتاؤ کیسی ہیں؟" اس نے صلح جو انداز میں عمائمہ کا بازو پکڑا۔

"چھوڑو مجھے۔۔۔ کچھ نہیں دیکھنا ہے مجھے۔۔۔ جاؤ یہاں سے۔"

"اتنی صبح اب اس سلیپنگ سوٹ میں کہاں جاؤں؟ کسی نے دیکھ لیا تو کیا سوچیں گے بیوی نے اتنی صبح ٹھنڈ میں کمرہ بدر کیوں کر دیا۔۔۔؟" انداز میں لاچارگی تھی۔

"بھاڑ میں جاؤ' کوئی کچھ بھی کہے مجھے نہیں پتا۔" عمائمہ نے اسے پرے دھکیلا۔

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟" ورید کی برداشت نے جواب دیا۔

"تم میرے قریب آتے ہو تو گھن آتی ہے مجھے۔ تم میرے بستر پر بیٹھتے ہو تو ناپاک ہو جاتی ہے وہ جگہ۔ تم جب سے میری زندگی میں شامل ہوئے ہو مجھے اپنی زندگی سے نفرت ہو گئی ہے۔ میں نے تم جیسے گندگی کے لتھڑے شخص کی کبھی خواہش نہیں کی تھی پھر بھی اللہ نے تمہیں میری تقدیر بنا کر ایک کالک کی طرح میری زندگی پر تھوپ دیا اور کیا سننا چاہتے ہو تم۔۔۔؟" وہ غصے میں روتی بول رہی تھی۔

"مانا کہ مجھ سے ایک غلطی ہوئی تھی۔ لیکن اتنی نفرت' اتنا گھمنڈ اپنی نیک نامی پر؟ بہت اعلا چیز سمجھتی ہو نا تم خود کو تو میری بھی ایک بات کان کھول کر سن لو تم جیسی ہزاروں محض میرے ایک اشارے پر دوڑی چلی آتی ہیں۔ تمہیں دل سے قبول کیا تھا میں نے لیکن تمہیں شاید یہ عزت راس ہی نہیں تب ہی۔" اس نے بات ادھوری چھوڑی۔

"تم اب اسے میری ضد سمجھو یا کھلا چیلنج اپنی محبت میں تمہیں تڑپا نہ دیا تو میرا نام بھی سید ورید بخت نہیں۔" اس نے تکیہ بیڈ پر پھینکا اور باہر نکل گیا۔

٭ ٭ ٭

صبح وہ ناشتا کیے بغیر ہی نکل گیا تھا انو ناشتے پر اس کا انتظار کرتی رہیں مگر وہ نہ آیا بار بار عمائمہ سے اس کے متعلق پوچھتیں اور وہ انہیں "آتے ہی ہوں گے' ابھی آجائیں گے' یہیں کہیں گئے ہوں گے" جیسے فقروں سے تسلیاں دیتی رہی۔

"بیٹا مجھے ہول اٹھ رہے ہیں۔۔۔ نہ جانے منشی اور شیدے کے ساتھ کہاں اتنی ٹھنڈ میں نکل گیا ہے۔ تم اس کے موبائل پر فون تو کرو۔"

انو کے اصرار پر ابھی وہ شش و پنج میں تھی کہ اس کے موبائل کی بیپ ہوئی گھر کا نمبر دیکھ کر اس کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے۔

"السلام علیکم بابا۔۔۔ کیسے ہیں آپ؟ میڈیسن تو ٹائم پر لے رہے ہیں نا؟" صادق صاحب اس کے جذباتی سے انداز پر مسکرائے۔

"الحمدللہ بیٹا میں ٹھیک ہوں اور تمہارے ڈر سے میڈیسن بھی لے رہا ہوں پہلے مجھے یہ بتاؤ رات ورید خیریت سے پہنچ گیا تھا نا۔۔۔؟ میں تو کہہ رہا تھا رات ہمارے ہاں گزار کر صبح نکل جانا پر مانا ہی نہیں۔۔۔"

"ورید آپ کی طرف تھے؟" حیرت سے آواز مدھم ہوئی۔

"ہاں بیٹا اس نے بتایا نہیں تمہیں؟ رات کا کھانا ہمارے ساتھ ہی کھایا تھا اس نے۔۔۔ تمہاری ماں نے تاکید بھی کی تھی پہنچ کر فون کر دینا' رات اچھی خاصی دھند ہو رہی تھی۔"

"جی وہ مجھے کہہ گئے تھے کہ میں آپ کو فون کر دوں۔ ابھی میں آپ کو فون کرنے ہی والی تھی۔" عمائمہ نے بات بنائی۔

"اور بیٹا خیریت ہے سب' بہن جی کیسی ہیں؟"

"جی بابا سب ٹھیک ہیں امی فاطمہ' زینی اور آمنہ کیسی ہیں؟"

"بیٹا تمہیں بہت یاد کر رہی ہیں سب۔"

"بابا میں ایک دو دنوں میں آؤں گی۔"

"ورید اور بہن جی کا خیال رکھا کرو۔۔۔ زندگی کی نئی شروعات ہیں یہی وقت ہوتا ہے ایک دوسرے کے دلوں میں اپنی محبتیں ڈالنے کا۔۔۔ ویسے تو میری بیٹی بہت سمجھ دار ہے لیکن پھر بھی۔۔۔ بچوں کو سمجھانا والدین کا فرض ہوتا ہے۔ جس طرح میری بیٹی نے تعلیمی میدان میں کامیابی کے جھنڈے گاڑے ہیں آئی ہوپ' زندگی کے اس سفر میں بھی میری بیٹی ہمیں مایوس نہیں کرے گی۔" صادق صاحب کے لہجے میں جھلکتا مان اسے اندر تک خاموش کروا گیا۔

"جج۔۔۔ جی بابا۔۔۔ آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔"

"خوش رہو بیٹا' اللہ نگہبان۔" رابطہ منقطع ہو چکا تھا اور وہ گم سم سے انداز میں فون ہاتھ میں لیے کھڑی تھی۔

"میری بچی کس کا فون تھا؟"

"بابا خیریت پوچھ رہے تھے۔" اس نے دھیرے سے بتایا اسی اثنا میں ورید ہال کمرے میں داخل ہوا۔

"پتر صبح سے تمہارے لیے پریشان ہو رہی ہوں۔ بہو رانی الگ چپ چاپ بیٹھی تھی۔ نہ خیر نہ خبر۔۔۔ کدھر غائب تھے صبح سے؟"

"انو میں یہیں ڈیرے پر گیا تھا پھر منشی اور شیدے کو لے کر باغوں کی طرف نکل گیا اس بار کینوں کا پھل بہت اچھا اترے گا۔" ورید انہیں تفصیل بتاتے ہوئے وہ ان کے قریب ہی مسہری پر لیٹ گیا۔

"تھک گیا ہے میرا پتر۔۔۔ کیا ضرورت تھی اس سردی میں نکلنے کی؟" وہ شفقت سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرنے لگیں۔

"آپ کے پاس آ کر میری ساری تھکن دور ہو جاتی ہے۔" اس نے بچوں کی طرح لاڈ دکھائے۔

"عمائمہ میری بچی جا کر نوری سے کھانا گرم کرواؤ۔ ورید کو بھوک لگ رہی ہے۔"

"جی میں جاتی ہوں۔" وہ خاموشی سے باہر کی طرف بڑھ گئی۔

"انو میں صبح واپس جا رہا ہوں۔"

"کیوں پتر۔۔۔ اتنی جلدی؟"

"اس بار جو چاول ایکسپورٹ کیے تھے۔ اس کی ابھی پے منٹ لینی ہے پھر کینوں کے باغات بھی تیار ہیں اس بار پھل بھی بہت اچھا اور خوب لگا ہے وقت پر مال بھجوانا پڑے گا۔" ورید نے تفصیل بتائی۔

"اچھا پتر اللہ برکت ڈالنے والا ہے۔ عمائمہ کو بھی ساتھ لے کر جاؤ گے۔"

"نہیں سوچ رہا ہوں آپ کے پاس چھوڑ جاؤں آپ بھی تو اکیلی ہوتی ہیں۔"

"پتر میرا کیا ہے تمہاری تو نئی نئی شادی ہوئی ہے۔ ساتھ رہو گے تو ایک دوسرے کو سمجھ سکو گے۔ بہو رانی کو ساتھ لے جاؤ۔ اسے اس کے والدین سے بھی ملوا دینا۔ یہاں سارا دن بولائی بولائی رہتی ہے۔ میری فکر نہ کر نوری اور بانو ہیں نا میرا خیال رکھنے کے لیے۔"

"ٹھیک ہے انو جیسے آپ کا حکم۔" ورید نے ہار مانی انو اپنے شفیق ہاتھوں سے اس کا سر دبا رہی تھیں۔

٭ ٭ ٭

عمائمہ مغرب کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تو وہ کمرے میں داخل ہوا۔

"اپنا بیگ تیار کر لینا۔ ہم صبح واپس جا رہے ہیں۔" لہجہ دو ٹوک تھا۔

"مگر کیوں؟"

"تمہیں بتا دیا ہے تمہارے لیے یہی کافی ہے باقی وضاحتیں دینا میں ضروری نہیں سمجھتا۔" ورید اپنے کپڑے الماری سے نکالنے لگا اور وہ ایک طویل سانس لے کر بیڈ پہ آ بیٹھی۔

صبح بانو نے باری باری ورید اور عمائمہ کا ماتھا چوما اور مٹھی میں دبے نوٹ ان دونوں کے سروں سے وارے۔

"اچھا پتر رب راکھا' خیر سے جاؤ۔"

ورید ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا۔۔۔ عمائمہ کے بیٹھتے ہی اس نے گاڑی اسٹارٹ کی' ہاتھ ہلا کر انو سے اجازت لی اور پھر حویلی' انو اور تمام لوگ نظروں سے

اوجھل ہوتے چلے گئے وہ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے رخ موڑ کر گاؤں کے کھیت کھلیان دیکھنے میں مصروف تھی۔

تمام راستے ان دونوں کے بیچ کوئی بات نہ ہوئی۔

گاڑی لاہور کی حدود میں داخل ہو چکی تھی۔ عمائمہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ جونہی درید نے گلبرگ کی بجائے۔ گاڑی عمائمہ کے رہائشی ایریے کی جانب موڑی تو اس نے حیرت سے رخ موڑ کر درید کی جانب دیکھا اس کا چہرہ سپاٹ اور آنکھوں میں کوئی تاثر نہ تھا ـــ گاڑی اب گلی میں داخل ہوئی تو آتے جاتے لوگ گردنیں موڑ کر دیکھنے لگے۔ محلہ وہی تھا گھر بھی وہی تھا مگر وہ ـــ وہ نہیں تھی ـــ عمائمہ نے گاڑی سے اتر کر بے تابی سے ڈور بیل پر انگلی رکھی۔

"کون ہے؟ آخر اتنی جلدی کیوں مچا رہے ہو۔" نسرین بیگم نے دروازہ کھولا تو سامنے عمائمہ اور درید کو دیکھ کر صدقے واری جانے لگیں۔ عمائمہ ماں کے گلے لگی اندر ہی اندر سسکنے لگی۔

"آؤ درید بیٹا رک کیوں گئے۔"

"ارے عمائمہ آپی آئی ہیں۔" آمنہ انہیں دیکھ کر چلائی۔ فاطمہ یونیورسٹی گئی ہوئی تھی اور زینب چھت پر کپڑے پھیلا رہی تھی۔

"درید بھائی آپ واقعی بہت اچھے ہیں۔ میں نے ایک دن پہلے آپ سے کہا تھا عمائمہ آپی کو لے کر آئیں اور آپ نے اتنی جلدی میری فرمائش پوری کر دی۔"

"بھائی کہا ہے تم نے اب بھائی تو مجھے بننا پڑے گا نا۔" درید نے شفقت سے اس کے سر پہ تھپکی دی۔ عمائمہ نے لحظہ بھر اس جھوٹے اور مکار شخص کو دیکھا۔

زینی عمائمہ کی خیریت پوچھنے کے بعد اب درید سے اس کا حال احوال پوچھ رہی تھی اور وہ خوش دلی سے جواب بھی دے رہا تھا۔

"ڈرامے باز ـــ اچھا انسان تو بن نہ سکا ـــ میری معصوم بہنوں سے اچھا بھائی بننے کا ناٹک کر رہا ہے۔"

عمائمہ نے تنفر سے سوچا۔

"ماں جی ـــ بابا کہاں ہیں؟ غالباً" اسٹور پر گئے ہوں گے؟" درید نے بلا آخر پوچھ ڈالا۔

"بیٹا صادق صاحب نہیں پچھلی گلی تک گئے ہیں ان کے دوست بشیر صاحب ہارٹ اٹیک میں وفات پا گئے۔"

"امی کیا ہوا بشیر انکل کو؟" عمائمہ نے حیرت و بے یقینی سے استفسار کیا ان کی اکلوتی بیٹی عمائمہ کی یونیورسٹی فیلو رہ چکی تھی ـــ اور بشیر انکل نے حال ہی میں اس کی شادی خاصی دھوم دھام سے کی تھی۔

"تمہیں تو پتا ہے ابھی گزشتہ دنوں غیروں میں صبرین کی شادی کی تھی بشیر بھائی نے بعد میں معلوم ہوا۔ لڑکا شرابی اور جواری ہے ایک دن نشے میں تھا کہ مار پیٹ کر صبرین کو طلاق دے دی جب نشہ ہرن ہوا تو مکر گیا اچھا خاصا الجھا ہوا تھا یہ معاملہ۔ بشیر بھائی نے بیٹی کے اجڑنے کا ایسا غم دل سے لگایا کہ بس دل کا روگ بن کے رہ گیا اور آج کہانی ہی ختم ہو گئی۔" نسرین بیگم کے الفاظ عمائمہ کے گرد جھکڑ کی طرح گردش کرنے لگے شرابی خاوند، طلاق، بیٹی کا غم اور پھر موت ـــ

وہ جو حویلی سے سوچ کر نکلی تھی کہ بابا کے پاس جا کر انہیں درید کی اصلیت بتا دے گی۔ اس شخص کے ساتھ اذیت بھری زندگی گزارنے کی بجائے باقی کی تمام عمر بابا، امی کی خدمت کر کے اور کہیں اچھی جگہ پر جاب کر کے بابا کی مالی معاونت کرے گی۔ سب کچھ ملیا میٹ ہونے لگا۔

"ماں جی مجھے اجازت دیجیے۔"

"بیٹھو بیٹا صادق صاحب ابھی آتے ہی ہوں گے کھانا یہیں کھانا۔"

"نہیں ماں جی پھر سہی اب تو آنا جانا لگا ہی رہے گا۔ دراصل حویلی میں عمائمہ کا دل نہیں لگ رہا تھا میں نے سوچا یہیں گلبرگ میں آپ لوگوں کے قریب رہیں گی تو حوصلہ رہے گا انہیں۔" اس کی بات پر عمائمہ نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔ مگر وہ اس کی جانب دیکھ ہی کب رہا تھا۔

"عمائمہ بری بات ہے دل تو لگانا پڑتا ہے دو مہینے بھی نہیں رہ سکیں۔ تم حویلی میں کیا سوچ رہی ہوں گی درید کی الو ـــ؟ مجھے تم سے یہ توقع نہیں تھی۔"

درید نے بڑی چالاکی سے اپنے اندر کا غبار نسرین بیگم کے ذریعے عمائمہ پر نکالا وہ اندر ہی اندر بل کھا رہی تھی۔

"ماں جی مجھے اجازت دیجیے ـــ ایک ضروری کام ہے مجھے۔"

"اچھا بیٹا سدا سکھی رہو۔" ان سے اجازت لے کر وہ عمائمہ کی جانب پلٹا۔

"جی بیگم صاحب کب لینے آؤں میں آپ کو؟" چہرہ بے تاثر تھا مگر لہجہ آگ لگا دینے والا عمائمہ کا اس پر بس نہیں چل رہا تھا۔

"میں دو دن یہیں رہوں۔" وہ چبا چبا کر بولی۔

"دو دن؟ مجھے تو یہ دو دن بھی دو سالوں کے برابر لگیں گے۔" اس کی سرگوشی پر وہ کھول کر رہ گئی۔

"اچھا بھئی بہنو ـــ دعا کرنا اس دکھی بھائی کے لیے۔"

عمائمہ نے دل میں اسے بیسیوں گالیوں سے نوازا اس کے جانے کے بعد نسرین بیگم درید کی تعریف میں رطب اللسان ہو گئیں اور وہ اپنے اندر اٹھتے طوفان سے چپ چاپ لڑنے لگی۔

محلے کے وہی لوگ جنہوں نے اس کی شرافت پر انگلیاں اٹھائی تھیں وہی آج اس کے شوہر کے اسٹیٹس، مرتبے اور گاڑی سے متاثر ہو کر اس پر رشک کر رہے تھے۔

"کیا بات ہے بھئی ـــ مشہور جاگیردار، سیاست دان کا بیٹا صادق بھائی کا داماد ہے۔" ساتھ والی آنٹی شکیلہ اسے دروازے کی اوٹ سے دیکھتے ہوئے بولیں۔ گلی کی نکڑ پر رہنے والے عرفان صاحب کے بیٹے نے قریب سے گزرتے ہوئے نہ جان نہ پہچان کے مصداق درید سے ہاتھ ملانا گویا فخر سمجھا تھا۔

وہ حیرت کی تصویر بنی دنیا کے ان بدلتے رویوں کو الجھے سے سوچتی رہی۔

اور پھر ایسا ہوا کہ وہ عمائمہ کو یہاں لا کر بھول گیا جیسے کسی قیمتی چیز کو خرید کر گھر کے کسی کونے میں سجا کر بھلا دیا جاتا ہے ـــ وہ صبح اٹھتی تو درید جا چکا ہوتا۔ وہ سوتی تو رات گئے درید واپس لوٹتا عجیب تھکا دینے والے روز و شب شروع ہو گئے تھے وہ لاؤنج میں چینل سرچنگ میں مصروف تھی۔ جب خلاف توقع وہ نو، ساڑھے نو بجے گھر میں داخل ہوا۔

"ہیلو وائف اینڈ نائف کیسی ہو؟ میری موجودگی میں تو گھٹن آتی ہے نا تمہیں، اب تو خاصی ہشاش بشاش رہتی ہو گی میری غیر موجودگی میں ـــ؟" جواباً وہ خاموش رہی۔

اور وہ شانے اچکا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا عمائمہ وہیں بیٹھی اس زندگی کے متعلق سوچنے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ تیار ہو کر باہر نکلا۔

"اب کہاں جا رہے ہو؟" زبان بے ساختہ بے قابو ہوئی۔

"ایک غلیظ اور گندگی میں لتھڑا شخص یقیناً" اس وقت مسجد میں تو نہیں جا سکتا۔" درید نے لٹھ مار جواب دیا اور باہر نکل گیا۔ آج نہ جانے کیوں اندر کی تنہائی سے دل گھبرا رہا تھا۔ فارینہ اپنی کزن کی شادی کے سلسلے میں کراچی گئی ہوئی تھی۔ اور دل تھا کہ اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے سہارا ڈھونڈ رہا تھا۔ اس نے تھک ہار کر کوارٹر سے رضیہ کو بلا لیا۔

"بی بی جی خیر تو ہے آپ نے یاد کیا تھا؟"

"ہاں دراصل میں بور ہو رہی تھی سوچا تمہیں بلا لوں۔"

"بی بی جی آپ صاب جی دے نال شام کو کہیں گھوم پھر آیا کرو ایسے تو آپ گھر وچ رہ کر بیمار ہو جاؤ گی جی۔ سچی پوچھو بی بی جی۔ مجھے تو صاب جی دے تیور ٹھیک نہیں لگدے۔

ویسے تو صاب جی دل کے بڑے چنگے ہیں۔ میرے دونوں بچوں کے سکول کا الگ سے خرچا دیتے ہیں تنخواہ کے علاوہ بڑی امداد کر دیتے ہیں ـــ اب دیکھیں نا آج کل کے زمانے میں کون کسی کے ساتھ ایسی بھلائی کرتا

ہے؟ اسی لیے تو کہتی ہوں بی بی جی مردوں کو تو روپوں پیسوں سے بڑی عورتیں مل جاتی ہیں پر عورتوں کو ساری زندگی لٹا کر دی اچھا مرد نہیں ملتا۔

شروع شروع میں مجھے قادر بخش (شوہر) ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا وہی تو نیرا کھلنڈرا پھر میری ساس نے مجھے سمجھایا جس طرح اڑیل گھوڑے کو سوار اپنی سمجھداری سے قابو کرتا ہے اس طرح عورت اپنے پیار سے مرد کی ساری اکڑ، سارا غرور ہوا کر دیتی ہے شروع شروع میں مجھے یہ کام تو بڑا او کھا لگا پر وہ عورت ہی کیا جو اپنا جی نہ مار سکے خیر مجھے آپے ہی قادر بخش اچھا لگنے لگا اور مجھے پتا ہی نہ چلا یہ کب سدھرتا چلا گیا۔" رضیہ نہ جانے کیا کیا کہہ رہی تھی لیکن عمائمہ کا ذہن تو بس اس بات میں اٹک کر رہ گیا تھا۔

"وہ عورت ہی کیا جو اپنا جی نہ مار سکے۔"

یہ سچ تھا کہ اس کے دل نے اس کے دماغ نے درید کو بری طرح سے ریجیکٹ کیا تھا اس کے بارے میں سوچتا تو کجا وہ اپنی زندگی میں وہ شامل کیوں اور کیسے کی تکرار سے باہر ہی نہیں آپاتی تھی۔

رضیہ خاصی دیر تک اس کے پاس بیٹھی رہی رضیہ کے اپنے کوارٹر میں جانے کے بعد عمائمہ بھی عشاء کی نماز کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی نماز کے بعد وہ پہروں جائے نماز پہ بیٹھی روتی رہی۔ وہ اپنی نماز کی پختہ عادت سے دین کے نزدیک تو تھی لیکن کیوں اور کیسے کی بحث و تکرار نے اسے اللہ سے بہت دور کر دیا تھا آج سے پہلے وہ پانچ وقت کی نماز پڑھ کر بھی اللہ سے صرف ایک ہی تکرار کرتی۔

"اے اللہ ایک زانی، شرابی اور غلط شخص کا انتخاب میرے لیے ہی کیوں؟" جب ڈاکٹرز نے صادق صاحب کو "کینسر" تشخیص کیا تھا تو وہ بہت روئی تھی اور اس نے روتے ہوئے صادق صاحب سے پوچھا تھا "بابا آپ اللہ کو اتنا یاد رکھتے ہیں اور وہ پھر بھی آپ کو اتنی مصیبتوں میں ڈالتا ہے.... کیوں بابا؟" تو انھوں نے عمائمہ کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا تھا۔

"بیٹا مومن بندہ ایسی بحث میں نہیں پڑتا.... زندگی میں جتنے کیوں، جتنے کیا لگتے ہیں یہ سارے کم ہمتی اور کمزوری کی دلیل ہوتے ہیں۔ خواہ وہ کمزوری جسمانی ہو، عقیدے یا ایمان کی ہو اس کی آزمائش ہمیشہ مومن کی ہمت و برداشت کے مطابق ہوتی ہے' اور وہ ان آزمائشوں کو صبر سے سہتا ہے۔ وہ جان بوجھ کر ہمیں مشکل راستے پر ڈالتا ہے تاکہ ہمیں آزما سکے دعا یہ کرو کہ وہ اس آزمائش میں ہمیں سرخرو کرے۔"

بابا کی وہ باتیں..... اندھیرے میں روشنی کا ایک مینار بن رہی تھیں وہ رو رہی تھی۔ ودرید بخت ایک مشکل راستہ تھا جو اللہ نے اس کے لیے منتخب کیا تھا اور وہ اس راستے کو صراط مستقیم پر لے جانے سے پہلے ہی تھک ہار کر بیٹھ گئی تھی زندگی کے ہر امتحان میں جیتنے والی لڑکی اللہ کے امتحان میں پاؤں دھرنے سے پہلے ہی ہار مان بیٹھی تھی؟ اس محاسبے میں عمائمہ کے ضمیر کی آواز اتنی واضح تھی کہ وہ روئے جا رہی تھی۔

درید بخت گھر کے ملازمین سے لے کر اس کے والدین تک کے لیے اچھا تھا لیکن اس کے لیے ہی اتنا برا کیوں تھا؟ زاویار اس کے لیے بہترین شوہر ثابت ہو سکتا تھا لیکن اللہ نے درید بخت جیسا بدترین شخص ہی اس پاکباز لڑکی کے لیے چنا تھا۔ زندگی سے ہارا ہوا' مایوسی کا بوجھ اٹھائے ایک بیمار شخص ہمیشہ شہر کے بہترین طبیب کے پاس ہی کیوں جاتا ہے؟ ایک امید' ایک آس اسے اس طبیب کے پاس لے جاتی ہے' جس کے موثر ذریعۂ علاج سے اسے ٹھیک ہونے کی امید ہوتی ہے۔

اور عمائمہ تو اس قلبی بیمار شخص کی دل کی سیاہی کا علاج کرنے کی بجائے اسے نفرت، غصے سے دھتکار رہی تھی۔ "اے اللہ کیا بابا جیسے سچے اور کھرے مومن کی بیٹی جس پر انہوں نے ہمیشہ ناز کیا۔ یہ ظرف تھا یہ اوقات تھی میری؟" وہ بہت دیر تک خود کو ملامت کرتے ہوئے روتی رہی۔ یہاں تک کہ ایک میٹھی نیند نے اسے تھپکی دے کر اپنی گود میں سلا لیا۔ جیسے زار و قطار روتا ہوا بچہ ماں کی گود میں جاتے ہی اونگھنے لگتا ہے۔

☼ ☼ ☼

وہ واش بیسن پر جھکا قے کر رہا تھا دماغ اک پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا وہ بستر تک آتا اور اندر ابلنے والی آگ اسے دوبارہ باتھ روم کی طرف دھکیل دیتی۔ مسلسل قے کرنے سے اب اس کی ہمت بھی جواب دے رہی تھی۔ ساتھ والے گیسٹ روم کے باتھ روم سے آنے والی آوازوں نے عمائمہ کو گہری نیند سے بیدار کیا۔ اس نے تکیے کے پاس رکھا موبائل اٹھا کر ٹائم دیکھا۔ ڈھائی بج رہے تھے عمائمہ نے لیمپ آن کیا اور اٹھ بیٹھی قریب رکھی شال اٹھا کر لپیٹی اور چپل پہن کر باہر نکل آئی اس نے درید کے دروازے پر دستک دی مگر جواب نہیں ملا۔ عمائمہ نے دروازہ کھول کر کمرے میں جھانکا وہ وہاں بھی نہیں تھا عمائمہ بے اختیار آگے بڑھی واش روم کا دروازہ کھلا تھا اور وہ واش بیسن پر جھکا قے کر رہا تھا۔

عمائمہ کے قدم آگے بڑھے اور ہاتھ خود بخود اس کے کندھے تک گیا۔

"کیا بات ہے طبیعت ٹھیک نہیں ہے تمہاری؟"

"تم..... آگے مت آؤ میری گندگی کے چھینٹے تمہارے پاک وجود کو ناپاک کر دیں گے۔" وہ کراہتے ہوئے اٹک کر بول رہا تھا۔ اس نے عمائمہ کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹانا چاہا۔

"پلیز بتاؤ نا کیا ہوا ہے تمہیں؟" عمائمہ اس کے طنز کو نظر انداز کرتی اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی درید کا جسم ٹھنڈا ہو رہا تھا۔

"اس الو کے پٹھے ارسل اور چوہدری فیض نے شرارت میں مجھے دیسی پلا دی میں ہمیشہ برانڈڈ پیتا ہوں۔" وہ کراہتے ہوئے طویل سانس لینے لگا۔

"یہاں کھڑے مت ہو ورنہ گر جاؤ گے۔" عمائمہ نے اسے بازو سے پکڑ کر بیڈ روم میں لانا چاہا۔

"مجھے میرے حال پر چھوڑ دو اور مرنے دو مجھے تمہارے تمام پرابلم حل ہو جائیں گے۔" اب وہ نل کھولے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارنے لگا۔ اندر کی آگ تھی کہ کم ہی نہیں ہو رہی تھی۔

"تم یہاں کیوں کھڑی ہو جاؤ اپنے کمرے میں۔" عجیب بچوں والی تکرار تھی اس کی۔ عمائمہ نے آگے بڑھ کر حتمی انداز میں پانی کا نل بند کیا اور اپنی شال کے پلو سے اس کا منہ صاف کیا ایک لمحے میں درید کے لیے زندگی ساکت ہوئی۔

"یہ لڑائی جھگڑے بعد میں کر لینا تمہاری طبیعت بہت خراب ہے اس وقت۔" عمائمہ نے اسے واش روم سے نکالا..... وہ نڈھال سا بستر پر آگرا۔ عمائمہ نے اس پر کمبل ڈال دیا اس کے سر میں شاید شدید درد تھا عمائمہ نے اس چھ فٹ سے نکلتے مرد کو لمحوں میں بے بس ہوتے دیکھا تو آنکھوں میں نمی اتر آئی اسے جتنی بھی قرآنی آیات زبانی یاد تھیں وہ ان کا ورد کرتی اور اس پر پھونک دیتی عمائمہ کا ہاتھ ایک بار پھر اس کے ماتھے پر رکا جسم اب پہلے کی طرح ٹھنڈا نہیں تھا وہ گہری نیند سو گیا تھا۔

تہجد کا وقت تھا۔ عمائمہ نے بستر پر جانے کی بجائے وضو کیا اور وہیں جائے نماز بچھا کر نیت باندھ لی ہاتھ جب دعا کے لیے اٹھے تو لب خود بخود اس کے لیے دعا گو رہے.... جائے نماز تہ کرنے کے بعد اس نے گہری نیند سوئے درید بخت کو دیکھا اور قریب رکھی چیئر پہ آبیٹھی۔

پیاس کی شدت سے صبح درید کی آنکھ کھلی تو نظریں سامنے چیئر پر سکڑی سمٹی عمائمہ پر پڑیں۔

"عمائمہ....." درید نے پکارا۔

"کچھ چاہیے؟" عمائمہ نے آنکھیں ملیں اور گردن کو سہلایا۔

"ٹھنڈا پانی۔" درید نے مختصر جواب دیا۔ عمائمہ اثبات میں سر ہلا کر کچن سے منرل واٹر کی بوتل نکال لائی۔

"اب کیسی طبیعت ہے؟" عمائمہ پانی کا گلاس لے کر اس کے قریب آئی۔

"تمہارے لیے بیڈ نیوز ہے پہلے سے بہتر ہوں۔" عمائمہ نے اس کے جلے کٹے انداز پر توجہ دیے بغیر پانی کا گلاس اس کے لبوں سے لگا دیا۔

"ٹھنڈا نہیں ہے آئس کیوبز ڈال دو۔" اس نے ایک ہی گھونٹ بھر کر گلاس پیچھے کر دیا۔

"سردی کا موسم ہے جون جولائی کا مہینہ نہیں پہلے ہی طبیعت خراب ہے تمہارا گلا بھی خراب ہو سکتا ہے۔" اس نے ڈپٹ کر گلاس دوبارہ اس کے لبوں سے لگایا۔

"کچھ اور چاہیے ـــ؟" عمائمہ نے خالی گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھا۔

"ہاں چاہیے۔" اس کے صبیح اور پرنور سے چہرے کو اپنی بصارتوں میں مقید کرتے ہوئے درید نے آہستگی سے کہا۔

"کیا ـــ؟" عمائمہ پوری طرح سے متوجہ ہوئی۔

"تمہارا پیار تمہاری محبت اور تمہاری توجہ۔" اس نے سوچا ضرور مگر کہا نہیں۔

"آئس کریم!"

"تم بالکل پاگل ہو گئے ہو۔ اتنی سردی میں آئس کریم کھاؤ گے؟" عمائمہ نے جھرجھری سی لی۔

"میرے ساتھ اتنی ہمدردی مت کرو کہ میں حیرت سے فوت ہو جاؤں۔"

"اس میں حیران ہونے والی کون سی بات ہے؟" اس کے سرہانے کھڑی عمائمہ حیران ہوئی۔

"تمہیں شاید یاد نہیں ہے میں تمہارے قریب ہوتا ہوں تو تمہیں گھن آتی ہے۔" اس کے خفگی بھرے انداز پر پہلی بار عمائمہ کے لب مسکرائے۔

"تم مجھے پاگل کہہ رہی ہو حالانکہ اس وقت مجھے تمہارا ذہنی توازن درست نہیں لگ رہا۔" درید نے الجھے انداز میں سائیڈ ٹیبل سے سگریٹ کا پیکٹ اٹھایا۔

"مت پیو یہ فضول چیز۔" عمائمہ نے آگے بڑھ کر سگریٹ ـــ اور لائٹر اپنے قبضے میں لیا۔

"یہ کیا ہے سب؟" درید کی آنکھوں میں حیرت ہی حیرت تھی۔

"کچھ نہیں میں تمہارے کپڑے نکال رہی ہوں۔ گرم پانی سے شاور لے لو طبیعت کا بوجھل پن دور ہو جائے گا۔" وہ وارڈ روب سے اس کے کپڑے نکال کر باہر نکل گئی۔ اور وہ حیرت سے گنگ اس کے اچانک بدلے رویے پر غور و فکر کرتا بستر سے اٹھ گیا۔

شاور لینے کے بعد اس نے خود کو فریش محسوس کیا جب وہ باہر نکلا تو عمائمہ ٹرالی پر ناشتا سجائے اس کی منتظر تھی۔

درید نے بالوں میں تولیہ رگڑا اور پھر تولیہ بیڈ پر اچھال کر اس کے قریب ہی صوفے پر بیٹھ گیا۔

"مجھے لگ رہا ہے یا تو میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں یا میں کسی غلط جگہ پر پہنچ گیا ہوں۔" اس کے اچنبھے پر اظہار خیال کی بجائے عمائمہ نے گرم دودھ میں کارن فلیکس ڈال کر باؤل درید کی جانب بڑھایا۔ دریدچند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا اس کی حیرت ختم نہیں ہو رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

منکشف ہوتی ہے ہر روز کوئی بات نئی
روز کھلتا ہے تیرا پیار بھی سازش کی طرح

اب تو ایسا معمول ہی ہو گیا تھا وہ اس کی فیورٹ چیز بنواتی تو وہ نہ کھاتا۔ وہ وارڈ روب سے اس کے لیے صبح کپڑے نکالتی تو وہ ان کپڑوں کو نظر انداز کر کے اپنی مرضی سے کوئی دوسرا سوٹ نکال کر پہن لیتا۔ وہ جلد آنے کو کہتی تو وہ اور بھی دیر سے آتا وہ ناشتا اگر خود بنا لیتی تو وہ کھائے بغیر نکل جاتا۔ وہ رات کھانے پر اس کا انتظار کرتی تو وہ کھا کر آتا ـــ کچھ ہی دنوں میں وہ اس کھیل میں تھکنے لگی فرق صرف یہ آیا کہ اب اسے درید پہ بے تحاشا غصہ نہیں آتا تھا اب اس غصے جھنجلاہٹ کراہیت نفرت کی جگہ افسوس نے لے لی تھی ـــ دن رات ایک سیاسیت کی کیفیت میں گزر رہے تھے۔

آج شام فاطمہ کے رشتے کے سلسلے میں کچھ لوگ آ رہے تھے نسرین بیگم نے فون پر عمائمہ سے درید کے ساتھ گھر آنے کو کہا تھا۔ وہ کافی دیر سے درید کو کال کر رہی تھی اور وہ ریسیو نہیں کر رہا تھا عمائمہ نے تھک ہار کر سیل بیڈ پر پھینکا اور اپنے کپڑے نکالنے لگی۔

ہی گرین سوٹ نکالتے نکالتے نظریں بے ساختہ ہنگر میں لٹکے بلیک سوٹ پر پڑیں شرٹ اور بڑے سے دوپٹے پر پنک پائپنگ کے ساتھ نفیس سی بیل نما کڑھائی بہت خوب صورت لگ رہی تھی یہ ان کپڑوں میں سے تھا جو دردید بڑے مان اور محبت سے اس کے لیے خرید کر لایا تھا ـــ پہننا تو دور کی بات اس نے دردید کی لائی ہوئی چیزوں کو دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔ آج وہی سوٹ اور اس کے ساتھ تمام میچنگ چیزیں نکالتے ہوئے دل انجانے سے احساس سے دوچار ہوا۔

☼ ☼ ☼

"شادی سے پہلے زندگی کی ہر رنگینی میں کھونے کو جی چاہتا تھا مگر اب ایسا کوشش کے باوجود نہیں کر پاتا میں خود کچھ نہیں پا رہا ہوں خود کو۔" دردید کے لہجے میں اکتاہٹ تھی تھکن تھی۔

"یار سنی تجھے دیکھ کر میں نے شادی سے توبہ کر لی ہے قسم سے یار تو اچھا خاصا بندہ تھا لیکن اب بے چارہ سا بن کے رہ گیا ہے۔" ارسل کو از حد افسوس ہوا۔

"عمائمہ نے مجھے بہت ڈل اور نکما بنا دیا ہے ابھی کل کی بات ہے ـــ میں شانزے کے ساتھ پی سی میں ڈنر کر رہا تھا اچانک میرے سامنے بیٹھی شانزے کے نقوش عمائمہ کے نقوش میں بدلنے لگے اور میں شانزے کو عمائمہ کہنے لگا ـــ اس کے بے رونق اور کھردرے شولڈر کٹ بالوں کو عمائمہ کے لمبے اور سلکی بال سمجھ کر خوامخواہ اس کی تعریف کرنے لگا۔" ارسل نے اس کی بے چارگی پر قہقہہ لگایا۔

"پھر؟"

"پھر کیا ـــ شانزے کا موڈ اتنا خراب ہوا کہ میرے ایکسکیوز کرنے کے باوجود وہ واک آؤٹ کر گئی۔"

"چچ چچ ـــ مجھے تجھ سے دلی ہمدردی ہو رہی ہے واقعی تو اب کسی کام کا نہیں رہا۔" ارسل نے مذاق اڑایا۔

"پتا نہیں یار جائے نماز پر سروں بیٹھ کر میرے لیے کیا کیا وظیفے کرتے رہتی ہے۔" دردید کی پریشانی دیدنی۔

"سنی یار تیرے حالات دیکھ کر مجھے ڈر ہے بھابھی کہیں تجھے پکا مولوی ہی نہ بنا دے۔" ارسل نے ہنستے ہوئے خدشہ ظاہر کیا۔

"آج کل حیرت انگیز طور پہ بہت آگے پیچھے پھر رہی ہے جانے اس کے دماغ میں کیا کھچڑی پک رہی ہے؟ محبت تو وہ مجھ سے کرتی نہیں رہی بات اس کی ہمدردی کی تو وہ میری سمجھ سے بالاتر ہے۔" دردید نے اپنے اندر کی الجھن بتائی۔

"ویسے سنی تو جو کچھ کر رہا ہے نا بالکل ٹھیک کر رہا ہے۔ کم بخت ان لڑکیوں کو ذرا سی اہمیت دے دو تو بلاوجہ سر پہ سوار ہونے لگتی ہیں۔" ارسل نے تھپکی دی۔

"ارسل میں ہمیشہ سے اکیلا ضرور تھا لیکن اب یوں لگتا ہے تنہا ہو گیا ہوں اپنی ہی ذات میں ـــ دل چاہتا ہے جس مکان میں عرصے سے رہ رہا ہوں وہ اب گھر بن جائے دل چاہتا ہے اس کی محبت میری تنہائی کو آباد کر دے۔ تھک گیا ہوں خود سے بھاگتے بھاگتے۔ دل چاہتا ہے وہ اب میرا ہاتھ تھام لے۔" زندگی میں پہلی بار ارسل دردید بخت کو کسی لڑکی کے سامنے چاروں شانے چت ہوتا دیکھ رہا تھا۔

"واہ میری جان ـــ واری اس محبت کے جس نے تجھے ایک سیاست دان کی اولاد سے ایک شاعر کی اولاد بنا دیا۔ تو ایسا کر مجھے اپنے دکھڑے سنانے کی بجائے سیدھا گھر جا بھابی کو حال دل سنا آج تجھے کچھ پینے کی ضرورت نہیں ہے۔" ارسل کے تمسخرانہ انداز پر دردید نے اسے گھورا اور اٹھ گیا۔

☼ ☼ ☼

"کیا بات ہے مجھ جیسے "گھٹیا" لٹیرے اور بدمعاش شخص کو یاد کرنے کی ضرورت کیوں پیش آ رہی تھی؟" وہ جھنجلائے انداز میں اس کے کمرے میں داخل ہوا لیکن اندر آنے کے بعد ایمان ڈانواں ڈول ہونے لگا بلیک سوٹ میں ملبوس وہ آئینے کے سامنے کھڑی

لپ اسٹک لگا رہی تھی۔ اس کی آواز پر یک لخت پلٹی تھی۔ دوپٹہ بیڈ پہ رکھا تھا نازک سے سراپے پر جدید تراش خراش کا سوٹ غضب ڈھا رہا تھا آج تو بال بھی کسی کلپ میں مقید نہیں تھے درید کے قدم خود بخود آگے بڑھے..... شادی کے بعد وہ پہلی بار اسے ڈھنگ سے تیار ہوا دیکھ رہا تھا..... درید کا جی چاہا کہ وہ اسے شانوں سے تھام کر اپنے مقابل لا کھڑا کرے اور اس سے کہے۔

"کیوں قسطوں میں خودکشی کروا رہی ہو مجھے کیا ہو تم؟ کوئی دعا ہو یا جادو؟ ہر وقت تمہاری محبت تمہاری توجہ کی طلب مجھے پاگل کیے رکھتی ہے؟ کیوں ہر جگہ نظر آتی ہو مجھے؟ کیوں ہر لمحہ پیچھا کرتی ہو میرا؟ کیوں رہ نہیں پاتا ہے یہ دل تمہارے بغیر؟"

لبوں پہ گہری چپ تھی لیکن اندر ہی اندر جذبات کی رو میں وہ پاگل ہو رہا تھا..... عمائمہ اس کی تعریف کی منتظر تھی مگر اس کے لب خاموش اور آنکھیں بول رہی تھیں۔

عمائمہ نے دوپٹہ اٹھا کر شانوں پر پھیلایا آج نہ جانے کیوں اس کا دل بھی چپکے چپکے دہائی دے رہا تھا۔

"تم خود کو بدل کیوں نہیں لیتے؟ پلیز پینا چھوڑ دو..... مت جایا کرو غلط عورتوں کے پاس، تم سب کے لیے اچھے ہو مگر اپنے لیے بہت برے ہو اپنے لیے نہ سہی میرے لیے ہی اچھے کیوں نہیں بن جاتے ہو تم؟"

درید نے اس کی پشت پر پھیلے خوب صورت بال دیکھتے ہوئے..... دل میں خود سے اقرار کیا۔

"میں نے سنا تھا اللہ صرف نیک مردوں کو ہی نیک بیویاں عطا کرتا ہے میں نہیں جانتا اس نے مجھ جیسے برے شخص کو تم جیسی نیک بیوی کیوں دی.....؟ لیکن جب سے تم میری زندگی میں شامل ہوئی ہو میرا دھیان برائی کی طرف راغب ہی نہیں ہو پاتا ہے بچپن سے لے کر آج تک کچھ نہیں پایا ہے میں نے سوائے تمہارے ہم سے بھاگتا ہوں تو مجھے کہیں جگہ نہیں ملتی ہے پلیز مجھ سے دور مت ہوا کرو۔"

عمائمہ اب کانوں میں چھوٹی چھوٹی جھمکیاں ڈالتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

"اگر خوش قسمتی سے اچھی بیوی مل ہی گئی ہے تو اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی بجائے اس کی اچھائیاں کیوں نہیں اپنا لیتے کیوں اس کی ہر بات کی نفی کرتے ہو تم.....؟"

دل کی خواہش ایک دھیمی سی مسکان کا روپ دھار کر عمائمہ کے لبوں پہ آ ٹھہری۔

"کیا کیا ستم نہیں ڈھاتی ہو تم میری تمناؤں پر ارسل سچ ہی کہتا ہے تمہاری "محبت" میں ایک دن مولوی ہی نہ بن جاؤں؟"

سوچوں کی کہانی تھی کہ اندر ہی اندر درید سے الجھی جا رہی تھی پر لبوں پر تو جیسے سل رکھ دی گئی تھی۔ وہ اب آئینے کے سامنے کھڑی بالوں میں برش کر رہی تھی۔

دل چاہا کہ وہ اس کی گھنی زلفوں کو چھوئے..... لیکن وہی انا درید کی تمام خواہشوں کو لبوں پر آنے سے سختی سے رد کرتی رہی۔

"آج فاطمہ کو دیکھنے کے لیے کچھ لوگ آ رہے ہیں امی اور بابا نے ہم دونوں کو بلایا ہے یہی بتانے کے لیے فون کر رہی تھی میں۔"

بالوں کی ڈھیلی سی چٹیا گوندھ کر پشت پر ڈالتے ہوئے عمائمہ نے بلا آخر کمرے میں چھائی فسوں خیز خاموشی کو توڑا۔

نہ جانے کیوں آج دل کو یہ یقین تھا کہ وہ اپنے لائے ہوئے کپڑے اس کو پہنے ہوئے دیکھ کر تعریف کرے گا مگر عمائمہ کا دل اپنی ساری تیاری سے اچاٹ سا ہونے لگا۔

"سوچ لو مجھ جیسے بدکردار شخص کا تعارف ایک شوہر کی حیثیت سے کروا سکو گی تم؟"

"وہی اکھڑ مزاجی۔" عمائمہ کی آنکھوں میں پھر سے ویرانی سی اترنے لگی۔

"میں اس وقت تم سے اس فضول بحث و تکرار میں نہیں پڑنا چاہتی ہمیں پہلے ہی دیر ہو چکی ہے۔ لہٰذا جلدی سے فریش ہو کر آؤ امی اور بابا انتظار کر رہے ہیں ہمارا۔" عمائمہ نے بھی دھونس جمائی۔

"یہ بیویوں والا رعب مت جھاڑو ابھی فریش ہو کر آرہا ہوں میں' کیا یاد کرو گی تم بھی۔"
ہمارے بعد نہیں آئے گا تمہیں چاہت کا ایسا مزا تم لوگوں سے کہتے پھوگے مجھے چاہو اس کی طرح نظریں تھیں کہ اس کے سراپے سے مسلسل الجھ رہی تھیں۔۔۔ بڑی مشکل سے درید اپنے دل سے ہاتھ چھڑا کر باہر نکلا تھا۔

* * *

"ماشاء اللہ۔۔۔ اللہ میرے بچوں کو نظر بد سے بچائے۔" صادق منزل پہنچتے ہی نسرین بیگم نے ان دونوں کے سر سے پیار دے کر ان کی نظر اتاری تھی۔
"بہت اچھا کیا تم دونوں آ گئے۔" نسرین بیگم شانت ہوئیں۔
"درید بیٹا! تمہیں دیکھ کر اس بوڑھے اور ناکارہ وجود کو حوصلہ ملنے لگتا ہے کہ میرے بعد اس گھر کو باپ کا نہ سہی ایک بیٹے اور بھائی کا سہارا ضرور ملے گا۔" وہ صادق صاحب سے پیار لینے کے لیے جھکا تو ان کے کمزور سے لہجے میں اطمینان ہی اطمینان پوشیدہ تھا۔
"بابا پلیز ایسا مت کہیے اللہ آپ کو تندرستی دے۔" درید نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر حوصلہ دیا۔
"بابا آپ ایسی باتیں مت کیا کریں آپ چھاؤں ہیں ہمارے لیے ہماری زندگی کی خوشی ہیں آپ۔" عمائمہ ان کی گود میں سر رکھے رو دی "ارے یہ کیا ہے بھئی؟ درید یار تم نے میرے شیر کو بہت بزدل بنا دیا ہے۔" صادق صاحب نے ہنستے ہوئے اس کے سر پر تھپکی دی۔ تو قریب بیٹھا درید بھی مسکرا دیا۔
"ہاں تو میری رانی! کہاں تک پہنچی تیاری؟" عمائمہ فاطمہ کے پاس آ گئی۔
"یار بہت عجیب سا لگ رہا ہے۔" فاطمہ کی گھٹی ہوئی آواز پر وہ ہنسی۔
"ایسے ہی ہوتا ہے دل کا حال ہائے سویٹ سسٹر۔" عمائمہ نے پیار سے اسے چھیڑا۔
"قسم سے اب مجھے احساس ہو رہا ہے زری خالہ اور زاویار بھائی کے آنے پر ہم لوگوں نے کیا درگت بنائی تھی تمہاری۔" فاطمہ اپنی ہی دھن میں بولتی چلی گئی اندر ایک بار پھر پرانے زخموں سے ٹیس اٹھی۔
"ارے ہاں یاد آیا۔۔۔ زاویار بھائی شادی کر رہے ہیں اپنی کسی کولیگ کے ساتھ۔" اک سایہ سا عمائمہ کے چہرے پر لہرایا تو فاطمہ کو کچھ احساس ہوا۔
"سوری عمائمہ شاید مجھے یہ ٹاپک نہیں چھیڑنا چاہیے تھا۔"
"سوری فار واٹ؟" عمائمہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "وہ میرا ماضی تھا۔ جو گزرے وقت کے ساتھ بیت گیا دیٹس اٹ۔" عمائمہ کے مضبوط لہجے پر فاطمہ چند لمحوں کے بعد گویا ہوئی۔
"ساتھ والی زبیدہ خالہ نے امی کو اس رشتے کے متعلق بتایا تو انہوں نے درید بھائی سے ذکر کیا تمہیں پتا ہے بابا اور امی کو اس فیملی کے متعلق درید بھائی نے تمام چھان بین کر کے بتایا ہے تب ہی تو بابا اتنی جلدی انہیں اپنی ہاں بلانے پر آمادہ ہوئے ہیں ورنہ بشیر انکل والے واقعہ تو خاصے کشمکش میں تھے سچ عمائمہ درید بھائی کے ہوتے ہوئے بالکل بھی بھائی کی کمی کا احساس نہیں ہوتا۔۔۔ ابھی پرسوں کی بات ہے اچانک رات بابا کی طبیعت بہت خراب ہو گئی صفدر بھی اسٹور بند کر کے جا چکا تھا۔۔۔ ہم سب تو ویسے ہی پریشان ہو گئے تھے ساڑھے دس کا ٹائم تھا۔ آمنہ نے جانے کب ہمیں بتائے بغیر درید بھائی کو فون پہ بتا دیا درید بھائی تھوڑی ہی دیر میں دوڑے چلے آئے۔
فوراً" بابا کو۔۔۔ ہسپتال لے گئے۔۔۔ وہاں ان کا ٹریٹمنٹ ہوتا رہا دو ڈھائی بجے وہ بابا کو گھر چھوڑ کر امی اور ہمیں تسلی دے کر گئے۔"
"بابا کی طبیعت خراب تھی اور تم سب نے مجھے بتایا تک نہیں؟" عمائمہ کو دکھ کے ساتھ حیرت بھی ہوئی۔
"ہم تو شاید تمہیں بتا ہی دیتے لیکن درید بھائی اور بابا نے ہمیں سختی سے تنبیہہ کی تھی کہ تم پریشان ہو جاؤ گی۔" فاطمہ نے سر جھکایا۔

"ایک تو اس شخص کو عظیم بننے کا بہت شوق ہے۔ اگر میری اس کو اتنی پروا ہوتی تو یوں۔۔۔"
نسرین بیگم کمرے میں داخل ہوئیں تو عمائمہ کو خاموش ہونا پڑا۔
"عمائمہ بیٹا شوہر کی عزت دل سے شروع ہو کر زبان پر ختم ہوتی ہے میں آئندہ تمہارے منہ سے درید کے لیے تم نہ سنوں اسے آپ کہہ کر مخاطب کیا کرو اللہ سر کے سائیں سلامت رکھے اکیلی عورت اس سہارے کے بغیر ایک تنکے سے بھی ہلکی ہو جاتی ہے۔" امی اسے شوہر کے حقوق پر لمبا چوڑا لیکچر دینے میں مصروف ہو گئی تھیں۔۔۔ اور وہ خاموشی سے سر جھکائے سوچ رہی تھی۔
یہی گھر' یہی والدین اور یہی بہن بھائی ہوتے ہیں ان سے لڑکی زندگی کے ہر دکھ سکھ کتنی آسانی سے شیئر کر لیتی ہے لیکن شادی کے بعد۔۔۔ عجیب پہیلیوں کی طرح زندگی گزارنے لگتی ہے۔۔۔ انہی رشتوں سے اپنے دکھوں اپنے دل کے موسموں کو چھپانے لگتی ہے۔

* * *

فاطمہ کے رشتے کے سلسلے میں آئے مہمان فاطمہ کو دیکھ کر اپنی رضامندی کا اظہار کر گئے تھے۔ عمائمہ کو بھی وہ لوگ بہت اچھے لگے۔ آج اس کی حیثیت اس کے اسٹیٹس نے کتنی آسانی سے اس کے ماضی کو فراموش کر دیا تھا آنے والے لوگ صادق صاحب کی شرافت کے جو قائل ہوئے سو ہوئے درید جیسے جاگیردار داماد سے بھی خاصے مرعوب ہو کر گئے تھے۔۔۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد صادق صاحب کے ساتھ اس رشتے کے متعلق تبادلہ خیال کرتے کرتے ان دونوں کو اچھی خاصی دیر ہو گئی تھی۔
"لوگ تو اچھے ہیں مخلص اور شریف النفس۔۔۔ کیا خیال ہے تمہارا؟" درید نے گاڑی مین روڈ پر ڈالتے ہوئے عمائمہ سے رائے لی۔ مگر وہ نہ جانے کن سوچوں میں گم تھی چونک کر اسے دیکھنے لگی۔
"کچھ پوچھا آپ نے؟" درید اس کے "آپ" کہنے پر اپنی بات بھی بھول گیا۔
"میرے کان اگر خراب نہیں ہوئے ہیں تو شاید میں نے تمہارے منہ سے ابھی اپنے لیے لفظ آپ سنا ہے؟"
"آپ نے ٹھیک سنا ہے۔" عمائمہ نے مختصر جواب دے کر پہلی بار ہاتھ سی ڈی پلیئر کی جانب بڑھایا۔
"اللہ کے لیے مجھے اتنی عزت مت دو کہ میں اس بے یقینی کو یقین میں بدلنے کے لیے یہ گاڑی کہیں دے ماروں۔"
"امی کہتی ہیں شوہر کا نام عزت سے لینا چاہیے۔" اس کے مختصر جواب پر لمحوں میں درید کی خوش فہمیوں پر پانی پھر گیا۔
"چاہے دل میں عزت ہو نہ ہو۔" درید کے تمسخرانہ انداز پر وہ خاموش ہی رہی۔۔۔ پھر تمام راستے ان کے بیچ حائل دوری کو ناپتے وقت بیت گیا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی واپڈا والوں کی مہربانی سے لائٹ چلی گئی تھی۔۔۔ جنریٹر میں جانے کیا خرابی تھی کہ وہ آن نہیں ہو رہا تھا۔۔۔ درید نے عمائمہ کا غصہ واپڈا والوں اور گن مین قادر بخش پر نکالا۔
"جنریٹر میں اگر کوئی پرابلم تھی تو تم نے چیک کیوں نہیں کروایا۔ صبح سب سے پہلے اسے چیک کرواؤ کیا مسئلہ ہو رہا ہے اس میں۔"
"جی صاحب!" اس نے سعادت مندی سے جواب دیا اور گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔
"اب کیا رات یہیں کھڑے رہ کر گزارنے کا ارادہ ہے؟" اس نے گاڑی کے قریب کھڑی عمائمہ کو مخاطب کیا تو وہ احتیاط سے چلتی ہوئی اس کے پیچھے ہو لی درید موبائل کی روشنی میں گھر کے اندر داخل ہوا۔
"صبح ایمرجنسی لائٹس لگواتا ہوں میں یہاں۔" وہ خود کلامی کے انداز میں بولا درید کے ہاتھ میں موبائل تھا۔ جس کی روشنی اس کے پیچھے چلتی عمائمہ سے بے بسی کا اظہار کر رہی تھی مختصر سی روشنی میں بھی وہ

احتیاط سے چل رہی تھی کہ دفعتاً کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر گر پڑی۔

"چوٹ تو نہیں لگی؟" وہ پنجوں کے بل اس کے قریب بیٹھتے ہوئے متفکر لہجے میں پوچھنے لگا۔

"پاؤں مڑ گیا ہے دراصل میں نے کبھی ہیل نہیں پہنی..." تکلیف کی شدت سے آنکھیں نم ہو گئیں۔

"اگر پہلے نہیں پہنی تھی تو آج پہننے کی کیا ضرورت تھی؟" درید نے ٹوکا۔

"آپ ہی لے کر آئے تھے اس لیے پہنی تھی۔" نم لہجے میں بتایا گیا۔ درید کے لبوں پر مسکراہٹ ابھری۔

"سوری مجھ الو کے پٹھے کی وجہ سے ایک اور مصیبت تم پر ٹوٹی 'اینی وے' میں کینڈل جلاتا ہوں تم یہیں بیٹھو۔" وہ اس کے پاؤں کو سہلا کر کینڈل ڈھونڈنے لگا۔

بالآخر کارنس پر اسے کینڈلز نظر آ ہی گئیں۔ درید نے لائٹر کی مدد سے کینڈل جلائی تو تاریکی یک دم ایک خواب ناک سے ماحول میں ڈھل گئی عمائمہ نے قریبی صوفے کا سہارا لے کر اٹھنا چاہا تو پاؤں میں اٹھنے والی ٹیس نے اسے دوبارہ بیٹھنے پر مجبور کر دیا۔

"مسل پل ہو گیا ہے شاید تم اپنا ہاتھ مجھے پکڑاؤ اور اپنے اس پاؤں پر وزن مت ڈالنا۔" درید نے تسلی دے کر اپنا ہاتھ پھیلایا... ایک لمحے کے لیے عمائمہ نے اس کی پھیلی ہتھیلی کو دیکھا پھر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا درید ایک ہاتھ سے اس کا بازو تھامے اور دوسرا ہاتھ اس کی کمر کے گرد حمائل کر کے صوفے کی جانب بڑھا۔ آج وہ اس کے اتنے قریب تھی کہ اس کے دل کی خاموش کہانیوں کو اس کے محبت بھرے لمس میں محسوس کر سکتی تھی۔

وہ شخص جس سے کراہیت محسوس ہوتی تھی وہ شخص جس کو دیکھ کر دل میں نفرت کا اک طوفان اٹھنے لگتا تھا۔ وہ شخص جو دنیا کا غلیظ ترین انسان نظر آتا تھا۔ آج اس شخص کو چند لمحوں میں اس نے اپنا آپ سونپ دیا تھا۔ درید اسے احتیاط سے صوفے پر بٹھا کر خود اس کے لیے مختلف درازوں میں کوئی میڈیسن ڈھونڈنے لگا اور وہ خاموشی سے اسے اپنے لیے متفکر ہوتے ہوئے دیکھتی رہی۔ دل پر اترنے والے موسموں نے آج اندر کی ساری ترتیب بدل کر رکھ دی تھی۔

کسی پیاسے کو اپنے حصے کا پانی پلانا بھی تو محبت ہے۔
کسی کی بے بسی کو دیکھ کر خاموش رہ جانا بھی تو محبت ہے
ہو دل میں درد، ویرانی مگر پھر بھی...
کسی کے واسطے جبراً ہونٹوں پر ہنسی لانا بھی تو محبت ہے
محبت کے ہزاروں رنگ، لاکھوں استعارے ہیں۔
کسی کے زخم سہلانا
کسی روتے ہوئے دل کو بہلانا بھی تو محبت ہے۔

دل کی خاموش نگری کو تازہ الفت کی پھوار اندر باہر سے بھگونے لگی۔

"لاؤ پاؤں ادھر کرو۔" عمائمہ نے چونک کر سامنے کھڑے درید کو دیکھا جو ہاتھ میں آیوڈیکس لیے اس کو منتظر نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"نن نہیں رہنے دیں میں لگا لوں گی۔"

درید کا ہاتھ اس کے پاؤں کی جانب بڑھا تو عمائمہ نے جھجک کر پاؤں پیچھے کھسکایا۔

"پاگل مت بنو اور پاؤں ادھر لاؤ کالج کے زمانے میں فٹ بال کھیلتے ہوئے اکثر میرے پاؤں کے مسل پل ہو جاتے تو ارسل بے چارہ میرے پاؤں پر مساج کر دیا کرتا تھا۔ اس کے ہاتھوں کا وہ ایکسپیرینس ابھی بھولا نہیں ہے مجھے۔" درید اسے باتوں میں لگا کر اس کے پاؤں پر ہلکا ہلکا سا مساج کرنے لگا۔ پاؤں کے ساتھ ساتھ دل کے زخموں پر بھی مرہم کا اثر ہونے لگا۔ عمائمہ خاموشی سے اسے دیکھے گئی۔

اچھا خاصا نین نقشہ تھا اس کا گہری درد میں ڈوبی ہوئی آنکھیں اس کے مزاج جیسی تیکھی سی ناک، سیاہ اور قدرے گھنگریالے سے بال عمائمہ کا جی چاہا کہ وہ اس کی آنکھوں میں ہلکورے لیتے دکھ کو پڑھے... اس کے ماتھے پر آئے بالوں کو نرمی سے سنوار دے۔ اس

کے گلے میں جھولتی چین کو دھیرے سے چھیڑے۔

"کیا ہوا؟ ٹھیک نہیں کر رہا ہوں کیا؟" اسے اپنی جانب دیکھتا پا کر درید نے جواب طلب نظروں سے دیکھا۔ عمائمہ کا جی چاہا کہ وہ اسے کہہ دے۔

"آج تم کچھ بھی ٹھیک نہیں کر رہے ہو۔"

"ایکچوئلی 'ڈھیٹ' 'غلیظ' 'بدتمیز' بے ہودہ اور قابل نفرت ہونے کے ساتھ ساتھ میں ان معاملات میں اناڑی بھی ہوں۔" درید اس کے پاؤں پر ایلاسٹک چڑھا رہا تھا۔

"تھینکس..." اس نے دھیرے سے کہا۔

"میں کچھ سمجھا نہیں تھینکس فار واٹ؟" مصنوعی حیرت سے عمائمہ کی آنکھوں میں براہ راست جھانکا۔

"پلیز مجھے کمرے تک چھوڑ آئیں۔" اس کی متبسم آنکھوں میں دیکھنا محال ہو رہا تھا۔

"اوکے۔" ایک دھیمی سی مسکان کے ساتھ درید نے ایک بار پھر ہاتھ بڑھایا اور وہ ایک بار پھر اپنا بوجھ درید پر ڈال کر ایک پاؤں سے اس کے ساتھ چلنے لگی۔ Y.S.L کی دلفریب خوشبو عمائمہ کے حواسوں پر چھائی۔

"مجھ جیسے فضول شخص سے الجھ کر اپنا خون جلانے کی بجائے اپنی صحت کا خیال رکھا کرو۔ ضرورت سے زیادہ ہلکی پھلکی ہو رہی ہو تم!" شریر انداز میں نصیحت کی گئی اس نے کوئی جواب نہیں دیا عمائمہ کے اندر باہر آج صرف خاموشی ہی خاموشی تھی۔

"اوکے گڈ نائٹ اب تم آرام کرو۔" وہ جانے کے لیے پلٹا۔

"پلیز لائٹ آنے تک رک جائیں مجھے اندھیرے سے ڈر لگتا ہے۔" دل یک لخت ڈانواں ڈول ہوا تھا۔

اب کے درید کے ہونٹوں پر آنے والی مسکراہٹ بہت گہری تھی۔

"میں نے تو سنا تھا اللہ کے نیک بندے مصائب اور ڈر خوف سے آزاد ہوتے ہیں... اندھیروں سے ڈر تو مجھ جیسے خطاکار لوگوں کو لگتا ہے جن کا نہ دین ہوتا ہے نہ ایمان!" اس کا طنز عمائمہ کو اندر تک زخمی کر گیا۔

"بہرحال تمہاری خاطر میں اس اندھیرے میں تو کیا قبر کے اندھیروں کو بھی قبول کر سکتا ہوں۔" درید نے اس کے سامنے چیئر پر بیٹھتے ہوئے سگریٹ نکال کر منہ میں دبایا۔

"میری خاطر قبر کے اندھیروں کو نہ اپنائیں بس ان فضول چیزوں کو چھوڑ دیں۔" بے بسی التجا کے روپ میں ڈھلی۔

"دنیا چھوڑنے کے بدلے میں انسان کو موت ملتی ہے۔ سوال یہ ہے سگریٹ، شراب چھوڑنے کے بدلے میں مجھے کیا ملے گا؟" سگریٹ کا طویل کش لے کر استفسار کیا گیا۔

"سکون ملے گا، راحت ملے گی۔" عمائمہ نے نرمی سے سمجھانا چاہا اور وہ اس کی بات پر ہنسا۔

"تم تو مل نہیں سکیں مجھے اب کسی چیز کی حسرت نہیں رہی 'بائی دا وے' سکون ملتا کہاں سے ہے؟ اور کہاں سے لاؤں میں اسے اپنی زندگی میں؟"

"سکون اگر ڈھونڈا جاتا ہے تو اپنے دل سے لے کر اپنی بینائی تک۔" عمائمہ کے باور کروانے پر وہ پھر مسکرایا۔

"میرے دل کا عالم تو خوب جانتی ہو۔ گناہوں سے کتنا سیاہ ہو چکا ہے اور رہی بات بینائی کی تو سویٹ ہارٹ تمہارے پیار میں ایسا اندھا ہوا ہوں کہ اب کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا۔" الفاظ تھے یا نشتر... عمائمہ کا دل خوامخواہ اس کی پروا میں زخموں سے چور ہونے لگا۔ اس کے بعد نہ عمائمہ نے کوئی التجا کی اور نہ درید نے کوئی شکوہ کیا۔ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے الجھی سوچوں نے کب چپکے سے نیند کو راستہ دیا۔ عمائمہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔

"کتنی بے حس ہو میرے لیے رات کو ایک عذاب بنا کر کتنی آسانی سے میری نیندوں کو اپنا بنا لیتی ہو تم؟" درید نے عمائمہ کے سراپے پہ نگاہ ڈالتے ہوئے سگریٹ ایش ٹرے میں مسلا۔

چاہوں تو اک نگاہ میں خرید لوں اس کو
جس کو ناز ہے بہت کہ بکتا نہیں ہوں میں

لائٹ آگئی تھی مگر اس کے اندر اندھیرا چھا گیا تھا درید نے لائٹ آف کی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

☆ ☆ ☆

دونوں فیملیز کی رضامندی سے فاطمہ کا رشتہ طے پا گیا تھا لڑکے والے دو تین مہینے تک شادی کا کہہ رہے تھے۔

"اتنی جلدی کیسے ہو گا یہ سب؟" نسرین بیگم بیٹی کی ماں ہونے کے ناتے ہول رہی تھیں درید نے انہیں بھرپور تسلی دی تھی تب کہیں شانت ہوئیں۔ اس بار پروفیسر صادق صاحب نہ پریشان تھے نہ اکیلے! ایک بیٹے کا سہارا ان کے ساتھ تھا جو انہیں یہ احساس دلانے میں کامیاب ہو چکا تھا کہ وہ ایک بھائی کی حیثیت سے اپنی بہن کو وداع کرنے کی ہر ذمہ داری نبھائے گا اب بھی وہ پروفیسر صاحب کا حال احوال پوچھنے کے علاوہ فون پہ فاطمہ کی شادی کے متعلق ـــ مختلف کاموں کے بارے میں ڈسکس کر رہا تھا اور وہ سامنے بیٹھی اسے ایک بیٹے اور بھائی کے روپ میں دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔

"درید بخت کیا ہو تم ـــ؟ کتنے روپ ہیں تمہارے؛ سنی ہو یا درید؟ کیا شناخت ہے تمہاری؟" وہ اسے یک ٹک دیکھ رہی تھی۔

"ارے نہیں پاپا کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟ بیٹا کہتے ہیں تو بیٹے کو اپنے حقوق بھی ادا کرنے دیں ان شاء اللہ۔ سب کچھ خیر خیریت سے ہو گا جی ٹھیک ہے ایک دو دن تک ہم دونوں چکر لگائیں گے۔" انہیں تسلی دے کر درید نے فون بند کیا اور عمائمہ کی طرف متوجہ ہوا۔

"کیا بات ہے؟ یہ غنڈہ' بدمعاش' فریبی اور عیاش شخص پہلے سے زیادہ خوب صورت ہو گیا ہے؟" عمائمہ نے اس کے طنز کا کوئی جواب نہ دیا تو وہ مسکرا کر جیب سے سگریٹ اور لائٹر نکالتے ہوئے اس کے برابر آبیٹھا۔

اب جو ہر بات پہ چپ رہتا ہے
ہائے کیا شعلہ بیاں تھا پہلے

اک ادا سے شعر پڑھ کر اس نے عمائمہ کا کندھا ہلایا۔

"اے میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔"

"فضول باتوں کے فضول جواب کہاں سے لاؤں؟"

"یار عرصہ ہوا تمہارے منہ سے تعریف سنے ہوئے بہت دل چاہ رہا ہے دو چار سناؤ نا کھری کھری قسم سے تم نارملی بات کرتی ہو تو مجھے حیرت ہوتی ہے۔" درید ہنسا۔

"پلیز ان فضول چیزوں کو چھوڑ دیں زندگی سنور جائے گی۔" عمائمہ نے التجا کی۔

"میری زندگی تو تم بھی ہو' تم ہی سنوار دو۔"

"میری کوئی بات مانتے ہیں آپ؟" اس نے شکوہ کیا۔

"تم منواؤ تو سہی کوشش تو کرو۔"

"سارے راستے تم پر آ کر ختم ہو جاتے ہیں میرے اب اور کیا چاہتی ہو تم؟

"کیسے کوشش کروں؟ کیسے روکوں میں آپ کو ان گھٹیا عورتوں کے پاس جانے سے؟" آنسو پلکوں پر آنے لگے۔

"ہائنڈ لٹ ـــ تم مجھ پہ صرف ایک نیک پارسا خاوند کا لیبل لگانا چاہتی ہو' کیا ایک بیوی کے فرائض صرف یہی ہوتے ہیں جو آج کل تم پورے کرنے کی کوشش کرتی ہو؟ مجھے برائی سے روکنا مجھے بھوک ہو یا نہ ہو میرے سامنے ناشتا یا کھانا ٹیبل پہ لگوا دینا۔ میرے کپڑے دھلوا کر الماریوں میں رکھوا دینا' مجھے کیا پسند ہے کیا نہیں میں تمہیں کیسا دیکھنا یا تمہیں کیسا محسوس کرنا چاہتا ہوں کبھی یہ جاننے کی کوشش کی ہے تم نے؟

نہیں نا ـــ سیدھی سی بات ہے تم مجھ سے کمپرومائز کر رہی ہو' کیونکہ تمہیں میرے ساتھ

زندگی گزارنی ہے اور میں تم سے کمپرومائز کرنا نہیں چاہتا' کمپرومائز کاروبار میں ہوتا ہے لین دین کے معاملات میں ہوتا ہے خرید و فروخت میں ہوتا ہے۔ لیکن محبت میں نہیں ہوتا' یہ ہوتی ہے یا نہیں ہوتی محبت تو سچے دل سے ایک دوسرے کو قبول کرنے کا نام ہے اور اگر تم نے مجھے سچے دل سے قبول کیا ہوتا تو یوں ایک ہی گھر کی چھت تلے الگ کمرے میں نہ رہ رہی ہوتیں۔" درید اپنے اندر کی بھڑاس نکال کر چلا گیا تھا اور وہ وہیں گم سم بیٹھی تھی۔

ایک پودے کو لگانے کے لیے پہلے زمین کو نرم کرنا پڑتا ہے اس میں کھاد ڈالی جاتی ہے بیج بو کر اسے پانی دیا جاتا ہے پھر کہیں جا کر پودا جڑ پکڑتا ہے۔ اور وہ بغیر پانی دیے بغیر گوڈی کیے اس پودے پر پھل لگنے کی توقع کر رہی تھی۔

ایک بار وہ پھر غلط ثابت ہوئی ـــ وہ صبح کا نکلا تو شام تک اس کی واپسی نہ ہوئی البتہ شام میں اچانک گاؤں سے انور ڈرائیور کے ساتھ آئیں تو حیرت و خوشی سے عمائمہ کے اندر چھائی سستی اور یاسیت کے بادل چھٹنے لگے۔ وہ اپنے ساتھ گاؤں سے ڈھیر ساری سوغاتیں بھی لائی تھیں جنہیں بانو اور رضیہ مل کر کچن میں منتقل کر رہی تھیں۔

"عمائمہ میری بچی' یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے تم نے؟ دیسی گی دیسی صحت ہے تمہاری اور یہ درید پتر کہاں ہے؟" وہ عمائمہ کو خود سے چپکائے سوالوں کی بوچھاڑ کر رہی تھیں۔

"انو جان میں بالکل ٹھیک ہوں اور درید بھی یہیں کسی کام سے گئے ہیں۔" وہ ان کے سینے میں منہ چھپائے منمنائی۔

"لو بھلا کیا خاک ٹھیک ہو؟ جب اپنی صحت ٹھیک نہیں ہو گی تو خاوند اور بچوں کو کیسے سنبھالو گی؟ میں گاؤں سے تمہارے لیے پنجیری' دیسی گی اور بڑی احتیاط سے گاڑی میں ڈھیر سارے دیسی انڈے رکھ کر لائی ہوں اب کچھ دن یہاں رہوں گی اور تمہیں اپنی نگرانی میں کھلاؤں گی۔ کیسی موم بتی جیسی بنتی جا رہی ہو' نہ چہرے پر تازگی ہے نہ بالوں میں کوئی چمک ـــ اتنے لمبے بال ہیں تمہارے پر دیکھو کیسے روکھے اور بے رونق ہو رہے ہیں۔

دیسی گھی میں بادام جلا کر میں ہر دوسرے دن بانو سے تمہارے سر میں مالش کرواؤں گی پھر دیکھنا کیسے دنوں میں یہ بال لمبے اور چمکدار ہو جائیں گے۔" وہ محبت و شفقت سے اسے خود سے لپٹائے ڈانٹ رہی تھیں رات درید آیا تو اسے بھی آڑے ہاتھوں لیا۔

"میری پیاری انو۔" وہ خوشی سے آگے بڑھا۔

"پرے ہٹو خوامخواہ کی محبت جتانے کی ضرورت نہیں ہے مجھ سے' میری بہو رانی کی حالت دیکھی ہے تم نے؟ نہ بناؤ نہ سنگھار اور تم کیا یونہی اللہ کے آسرے پر اکیلا چھوڑ جاتے ہو اسے؟"

"انو جان میں نے بھلا کب روکا ہے ان محترمہ کو بناؤ سنگھار کرنے سے اگر اسے خود ہی دلچسپی نہیں ہے تو میں کیا کروں؟ اپنی مرضی کی مالک ہیں پوچھ لیں اگر کسی چیز کی کمی رکھی ہے میں نے تو بتائے جو آپ سزا دیں گی وہ قبول کروں گا میں۔" درید نے زبردستی ان کے کندھے سے سر لگایا۔

"پتر تن کی ضرورتیں اور ہوتی ہیں اور من کی ضرورتیں اور ـــ اب میں آ گئی ہوں نا تم دونوں کو درست کر لوں گی مذاق بنا لیا ہے تم دونوں نے اس زندگی کو۔" درید ان کی محبت بھری خفگی پہ مسکراتا رہا۔

☆ ☆ ☆

درید نے جو گیسٹ روم کو اپنا بیڈ روم بنا رکھا تھا انو کی اچانک آمد کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسے اپنا بوریا بستر سمیٹ کر عمائمہ کے کمرے میں پناہ لینی پڑی۔

"جب تک انو یہاں ہیں تمہیں اس کمرے میں مجھ جیسے گھٹیا شخص کو برداشت کرنا پڑے گا کیونکہ انو کے تیور بتا رہے ہیں کسی پکے' مجبر کی اطلاع پر آئی ہیں۔" انو عشاء کی نماز پڑھ رہی تھیں ان کی عشاء کی نماز چونکہ خاصی طویل ہوا کرتی تھی سو درید موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنی چیزیں عمائمہ کے کمرے میں منتقل کر رہا

تھا۔

"ہیلو محترمہ میں آپ سے مخاطب ہوں۔" وہ اس کی خاموشی پر جھنجلایا۔

"یہ گھر یہ کمرہ اور اس میں رکھی ہر چیز پر آپ کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا کہ میرا' پھر مجھ سے اجازت کیوں مانگ رہے ہیں آپ؟"

"ہاں سب کچھ میرا ہے سوائے تمہارے اسی لیے تو اجازت مانگ رہا ہوں برداشت کرلوگی مجھے اتنے دن؟"

"اتنا کچھ تو سہہ چکی ہوں اب برداشت کیا؟ اور اس کی حدود کیا۔"

وہ الماریوں میں درید کے کپڑے سیٹ کرنے لگی۔ کھانے کے بعد وہ دونوں انو کے پاس ہی بیٹھ گئے تھے۔

"میں نے تو سوچا تھا یہاں آتے ہی مجھے خوش خبری سننے کو ملے گی مگر یہاں تو کوئی آثار ہی دکھائی نہیں دے رہے۔" عمائمہ نے نظریں چرائیں۔

"انو اتنی جلدی بھی کیا ہے؟ ابھی تو عمر پڑی ہے ایسی خوشخبریوں کے لیے۔" درید نے مسکرا کر ٹالنا چاہا تو وہ اور بھی خفا ہوئیں۔

"ہاں اک یہی جملہ رہ گیا ہے تم آج کل کے میاں بیوی کے پاس پہلے اللہ کی ناشکری کرتے ہو پھر اسی لولاد کو ترستے ہو۔" اب کے دونوں ہی خاموش تھے۔

"اب جاکر آرام کرو۔ رات کافی بیت گئی ہے میں بھی ذرا کمر سیدھی کرلوں پھر تہجد کا وقت ہو جائے گا۔" عمائمہ نے ان پر کمبل ڈالا۔

"گڈ نائٹ انو۔"

"اچھا میری بچی اللہ تمہاری گود ہری کرے۔" انہوں نے دعا دی۔ انو کی باتوں پر صرف عمائمہ ہی نہیں آج تو دربد بھی خاموش تھا۔

عمائمہ کمرے میں آکر چپ چاپ بیڈ پہ بیٹھ گئی تھی۔ اور وہ تکیہ اٹھا کر صوفے پر آگیا تھا صوفہ چھوٹا اور وہ لمبا تھا۔ ٹانگیں سیدھی نہیں ہو رہی تھیں۔

"مجھ سے صوفے پر سویا نہیں جا رہا ہے اگر تمہیں کوئی پرابلم نہ ہو تو۔"

"مجھے کیا پرابلم ہوگی آپ سو جائیں۔"

عمائمہ نے اسے دیکھے بغیر کھوئے ہوئے لہجے میں جواب دیا تو حیران نظروں سے تکتا ہوا دربد اس کے قریب بیڈ پر لیٹ گیا۔

"کیا بات ہے؟ انو کی کوئی بات بری لگی ہے تمہیں؟"

"نہیں۔۔۔" مختصر جواب ملا۔

"او کے جب سونے لگو تو لائٹ آف کر دینا مجھے روشنی میں نیند نہیں آتی ہے۔" اس کی بات پر وہ سر ہلا کر واش روم کی طرف بڑھ گئی۔۔۔ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر عمائمہ نے لائٹ آف کی اور تکیہ درست کر کے لیٹ گئی۔ دربد گہری نیند سو رہا تھا۔ عمائمہ نے رخ موڑ کر دربد کو دیکھا۔

وہ شخص جو اس کے قریب بیٹھتا تھا تو اسے گھن آتی تھی۔ وہ شخص جو اس کے بستر پر سوتا تو اسے لگتا وہ ناپاک ہو گیا ہے وہ شخص جس کی شکل دیکھ کر دل میں نفرت کا اک طوفان اٹھنے لگتا تھا آج وہی شخص نہ جانے کیوں دل کی خواہشوں کا حاصل بن رہا تھا۔

وہ بھی کچی مٹی سے بنی عورت تھی' آہستہ آہستہ ڈھنے لگی ایک چٹان جیسے مضبوط مرد کے آگے۔

دربد نے کروٹ بدلی تو ہاتھ میں اس کا دوپٹہ آگیا۔ دربد نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ وہ بیڈ کے دوسرے کنارے پر سکڑی سمٹی سی سو رہی تھی۔ اس کا دوپٹہ دربد کے ہاتھ میں تھا جو اس کے استحقاق کو جگا رہا تھا۔

ہر عورت ایک حسین وادی اور ایک بڑے ناول کی مانند ایک خاص رخ سے ایک خاص زاویے سے مرد کو متاثر کرتی ہے اور عمائمہ نے اسے اپنے کردار کی مضبوطی سے متاثر کیا تھا۔ اتنا متاثر کہ ناداں دل اس کٹھور لڑکی سے محبت کر بیٹھا اسے اپنی زندگی میں شامل کرنے کے بعد اسے پانے کے چھونے کے محسوس کرنے کے لیے وہ برداشت کی ہر حد سے گزرا تھا۔ اس کی لعن طعن' اس کی بد دعائیں' اس کی گالیاں تک اس نے سنی تھیں۔ برداشت کی تھیں لیکن اب دل نے برداشت کی ہر کوشش کو مسترد کر دیا تھا۔ دربد نے

اسے خود سے قریب کیا تو عمائمہ کا نیند میں ڈوبا ہوا ذہن دربد کی مخمور سی سرگوشیوں میں جاگنے لگا۔

"کیسے سمجھاؤں میں تمہیں؟ کتنی شدت سے چاہنے لگا ہوں میں تمہیں؟ اور تم ہو کہ میرے قریب ہو کر بھی ہمیشہ مجھ سے دور رہتی ہو۔ تم ہی بتاؤ کب اور کیسے ختم ہوں گی یہ دوریاں؟" اس کی سانسیں عمائمہ کے چہرے کو چھو رہی تھیں دربد اس کے اتنے قریب تھا کہ اس کی اتھل پتھل دھڑکنوں کو با آسانی سن سکتا تھا۔

آج نہ حقارت تھی نہ مزاحمت اس کی بکھری زلفوں میں دربد کا لمس۔۔۔ ریشمی حدت کی مہکار بن رہا تھا۔

ذہن کی تختی پر تلخیوں کے لفظ مٹ کر جذبات کی خوشبو میں رنگنے لگے تھے۔

"مرد کی فطرت بھی ایک ضدی بچے کی طرح ہوتی ہے جب تک اسے پیار سے بہلایا نہ جائے اس کی ضد کو قابو میں نہیں کیا جا سکتا۔" عمائمہ نے بھی اس ضدی دل کو اپنے بہلاوے سے اس کے جذبات کو لوٹنے نہیں دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

صبح کی کرنوں میں عجب سرشاری تھی خوشی تھی بے یقینی تھی۔ پرندوں کی چہکار تھی۔ نئے حوصلوں' جذبوں اور ولولوں کی داستان پوشیدہ تھی۔ مگر وہ دونوں خاموش تھے جیسے کسی طلسم سے باہر آئے ہوں۔

"آئم سوری۔۔۔ رات مجھے تمہارا اعتماد نہیں توڑنا چاہیے۔" عمائمہ آئینے میں اپنے بال سنوار رہی تھی اور وہ تکیے سے ٹیک لگائے نرم سے لہجے میں ایکسکیوز کر رہا تھا۔

"آپ جلدی سے فریش ہو جائیں۔ ناشتے پر انو جان ہمارا انتظار کر رہی ہوں گی۔" عمائمہ اس کی بات کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے بولی تو وہ حیران ہوا۔

"میں نے تم سے کچھ کہا ہے؟"

"آپ نے کہا اور میں نے سن لیا۔ کیا یہ کافی نہیں ہے؟" عمائمہ کے لہجے میں نرمی ہی نرمی تھی۔ دربد حیرت سے اس کے نکھرے سے سراپے کو نظروں میں مقید کرتے ہوئے واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

ناشتے پر انو جانے کون کون سے حلوے' دیسی انڈوں اور دیسی گھی کے پراٹھوں سمیت ان کی منتظر تھیں۔ اور زبردستی عمائمہ کی پلیٹ میں گاہے بگاہے کچھ نہ کچھ ڈال رہی تھیں اور وہ بے چاری بمشکل دیسی گھی میں بنی چیزیں حلق سے نیچے اتار رہی تھی۔

"انو اس سے زیادہ نہیں کھایا جائے گا مجھ سے۔" عمائمہ نے دبے لہجے میں احتجاج کیا۔

"میری بچی ابھی تم نے کھایا ہی کیا ہے؟ اپنی صحت اچھی ہوگی تو کل کو بچوں کو سنبھال سکو گی نا؟" انو کی دور کی پلاننگ سن کر دربد کے ہونٹوں پر بڑی دلفریب سی مسکراہٹ مچلی عمائمہ نے مدوطلب نظروں سے دربد کی جانب دیکھا۔ عمائمہ کی حالت پر دل پسیجا۔

"یہ تمہارے کام ہیں جو مجھ بوڑھی جان کو کرنے پڑ رہے ہیں۔" انو نے اسے کڑے تیوروں سے گھورا اور وہ حسب سابق مسکرایا۔

"چلیں میرے حصے کے یہ ضروری کام آپ مزید دو چار دن کرلیں' میں تھوڑی دیر تک اسلام آباد کے لیے نکل رہا ہوں۔"

"لو بھلا میں گاؤں سے تم دونوں کے لیے یہاں آئی ہوں اور تم اسلام آباد جا رہے ہو؟" عمائمہ کی نظروں میں بھی شکوہ ابھرا ہمیشہ کی طرح آج بھی اس نے عمائمہ کو تنہا تک گوارا نہ کیا تھا۔

"میری پیاری انو دو چار دن کی تو بات ہے۔"

"کس کے ساتھ جا رہے ہو؟"

"بالکل اکیلا جا رہا ہوں۔" اس نے یقین دلایا۔

"پھر بہو رانی کو بھی ساتھ لے جاؤ گھوم پھر لے گی۔" انو کسی صورت مطمئن نہ ہو رہی تھیں۔

"آپ کی بہو رانی کو واپس آکر مما بھی دوں گا اور پھر ابھی دوں گا۔" لہجہ معنی خیز تھا۔

"ہونہہ اکیلے کہاں' عیاشی کے لیے اپنی کسی گرل فرینڈ کو ساتھ لے کر جا رہے ہوں گے۔" عمائمہ کے دل میں ایک بیوی کی طرح وسوسوں نے بسیرا کیا۔

"کم آن انو ہے ایک ضروری کام۔" وہ زچ ہوا۔
"اچھا پتر خیر سے جاؤ پر وعدہ یاد رہے۔"
"ان شاء اللہ انو آج سے ٹھیک چوتھے دن آپ کا پتر آپ کے پاس ہوگا۔"
"رب تعالیٰ تجھے اپنی پناہ میں رکھے۔" انہوں نے درید کو دعا دی اور عمائمہ سے مخاطب ہوئیں۔
"عمائمہ میری بچی اٹھ کر درید پتر کی تیاری شیاری کروا دو۔"
"جی انو۔" وہ خاموشی سے اٹھ کر بیڈ روم میں آئی اور الماری کھول کر خالی نظروں سے کپڑوں کو دیکھنے لگی۔
"اس شخص کو جیتنا کتنا مشکل ہے؟ اپنا آپ ہار کر بھی خالی ہاتھ ہوں پتا نہیں کب سدھرے گا؟"
دل تھا کہ خفگی پہ اتر آیا صبح والی شادابی اب غصے اور جھنجلاہٹ میں بدلی ہوئی تھی درید نے بغور اس کے بدلے ہوئے تیور دیکھے۔
"ان میں کون سے کپڑے آپ ساتھ لے کر جائیں گے؟ بتا دیں میں جلدی سے رکھ دوں یقیناً" دیر ہو رہی ہو گی آپ کو؟" اس کے طنز پر وہ مسکراتا ہوا آگے بڑھا۔
"اپنی پسند سے رکھ دو۔" درید کی بات نے گویا زخموں پر نمک چھڑکا۔
"میری پسند کو رہنے دیں جس کو ساتھ لے کر جا رہے ہیں اس کی پسند بتائیں۔" خالص بیویوں والا جلا کٹا انداز اسے اندر تک سرشار کر گیا۔
"جس کا خیال اور تصور ساتھ لے کر جا رہا ہوں۔ اسی سے تو پوچھ رہا ہوں۔" درید نے شرارت سے اس کی پھولی ہوئی ناک کو دبایا تو اس نے آہستگی سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔
"مجھ سے ایسی فریبی باتیں مت کریں۔"
"پھر سچی باتیں کروں گا تو تم ہی کہو گی مت کریں یہ جھوٹی باتیں اب بتاؤ کہاں جاؤں میں؟" درید نے محبت سے اسے اپنی بانہوں میں سمیٹنا چاہا۔
"میری بلا سے کہیں بھی چلے جائیں۔" وہ تڑپ کر اس کا حصار توڑنے میں کامیاب ہوئی۔
"اتنا غصہ؟" وہ حیران ہوا۔
"میرے غصے اور ناراضی سے فرق بھی کیا پڑتا ہے اپنی مرضی کے مالک ہیں آپ' میں ہوتی کون ہوں آپ کو کسی کام سے روکنے والی؟" اندر کا غبار وہ کپڑوں پر نکال رہی تھی۔ درید کے لیے اس کا یہ روپ بہت نیا اور انوکھا تھا۔ ایک خوشگوار سی حیرت کے ساتھ وہ ایک بار پھر اس کے قریب آیا۔
"تم میری جان ہو' زندگی ہو' میری دھڑکن بن کر دھڑکتی ہو اس وجود میں' فرق پڑتا ہے مجھے۔" وہ عمائمہ کی کمر میں بازو حمائل کرتے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بول رہا تھا۔ کپڑے رکھتی عمائمہ کے ہاتھ ایک لمحے کے لیے تھمے۔
"میں اگر زندگی ہوں آپ کی تو پھر اس زندگی سے اتنی بے اعتنائی کیوں؟ کیوں اپنی زندگی پر رحم نہیں آتا آپ کو کیوں اللہ کا نافرمان ہو کر اپنی جان پر عذاب نازل کرتے ہیں آپ؟" وہ بھی سارے حساب کتاب برابر کرنے کے موڈ میں تھی پلٹ کر دیکھے بغیر نم لہجے میں سوال کرتی رہی۔
"آئی سویر واپس آ کر سارے حساب کتاب برابر کر دوں گا فی الحال مجھے اس موڈ کے ساتھ مت بھیجو ورنہ ٹینشن سے گاڑی کہیں مار نہ دوں۔" درید نے اس کا رخ اپنی جانب موڑا۔
"کبھی تو اچھی بات کر لیا کریں۔" بے ساختہ اسے ڈپٹا گیا۔
"تمہارے پاس صرف دو چار دن ہیں' واپس آ کر بہت ساری اچھی اچھی باتیں کروں گا۔" درید نے شرارت سے اپنا سر اس کے سر سے رگڑا یوں لگتا تھا جیسے نفرت اور بدگمانیوں کی ساری دیواریں گر گئی ہوں۔
وہ چلا گیا تھا لیکن اس کی پرچھائیاں رہ گئی تھیں اس کی باتیں دل میں شور مچا رہی تھیں اس کی نظریں ہر جگہ سے اسے دیکھ رہی تھیں اس کا لمس اب بھی عمائمہ کے بالوں میں سانس لے رہا تھا۔

وہ دو تین دن سے انو کے ساتھ گیسٹ روم میں سو رہی تھی وہ کمرہ جو اک مدت سے عمائمہ کی تنہائیاں جھیل رہا تھا وہی کمرہ درید کی چند لمحوں کی رفاقت سے اتنا مہک اٹھا تھا کہ اب عمائمہ کی تنہائی و بے اعتنائی کو اپنی آغوش میں تھپکنے سے انکاری ہو بیٹھا تھا۔
انو نماز کے بعد سو گئی تھیں اور وہ نماز پڑھنے کے بعد خود اللہ سے اپنے لیے نیند مانگ رہی تھی۔ دل کے موسم جانے کیوں اس کے سنگ گنگنانے کی خواہش کر رہے تھے وہ اس شخص کے لیے خود سے لڑ رہی تھی۔ کیوں؟ وہ اس کیوں کو ایسے ہی سمجھ نہیں پا رہی تھی جیسے دل اکثر چیزوں کو سمجھ نہیں پاتا ہے۔ عمائمہ بستر سے اٹھ کر کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی ادھورا چاند اس کے دکھ اس کی کیفیت اس کی بے بسی پر مسکرا رہا تھا۔
وہی گھر' وہی رشتے' وہی تنہائی اور وہی شام کی دہلیز پر اترتی رات تھی' مگر صرف اس کے نہ ہونے سے دل ہر شے سے اچاٹ ہو گیا تھا وہ خود بھی خود کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ کہ وہ اس کے لیے اتنا اہم کیوں ہو رہا تھا؟ لب خاموش تھے پر دل سوالی تھا کہ وہ کیوں دو تین راتوں سے صرف اسی کو سوچے جا رہی تھی؟

☼ ☼ ☼

واشنا بھی اس نے برائے نام ہی کیا انو اس کی عدم دلچسپی کو بھانپ رہی تھیں۔ دھیرے سے مسکرا دیں۔
"پہلی بار درید کے جانے کے بعد بیویوں والا تفکر دیکھ رہی ہوں تمہارے چہرے پر۔" ان کی بات پر وہ نے زیر لب مسکراتے ہوئے چائے کا کپ لبوں سے لگایا تھا۔
"میری بچی! مرد اور عورت تو ندی کے دو کناروں کی طرح ہوتے ہیں ساری زندگی ساتھ بہ کر رہتے ہیں ایک دوسرے کے لیے ڈھال بن کر' بس دل میں ایک دوسرے کی چاہ ہونی چاہیے پھر اس ندی میں چاہے سیلاب آئے یا طوفان دونوں ایک دوسرے کو ٹوٹنے بکھرنے نہیں دیتے میری بچی' میری تو یہی دعا ہے میرا مولا تم دونوں کے دلوں میں ایسی ہی محبت ڈالے اور تم دونوں ہمیشہ ایک دوسرے کا سہارا بنے رہو۔"
انو کی دعاؤں پر اس کا دل بھیگنے لگا۔
"تم ذرا درید سے پوچھ لیتیں کب تک آئے گا؟"
"انو ان شاء اللہ رات دس' ساڑھے دس بجے تک آ جائیں گے۔ کہہ رہے تھے کھانا گھر ہی کھائیں گے۔"
"رات اس کی پسند کا کھانا بنوا لینا اور تم بھی ڈھنگ کے کپڑے پہن لینا بجی سنوری عورت کی مسکراہٹ مرد کی ساری تھکاوٹ دور کر دیتی ہے۔" ان کی بات پر عمائمہ نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔
"اور ہاں درید آ جائے تو تمہارے والدین کے ہاں بھی چلوں کی اللہ نے خیر سے تمہاری بہن کا نصیب جوڑا ہے۔ مبارک دینا تو فرض بنتا ہے میرا جب سے تمہیں بیاہ کر لے کے گئی ہوں دوبارہ ملنا ہی نہیں ہو سکا۔"
"جی کیوں نہیں رات امی کا فون آیا تھا وہ بھی آپ کی خیریت پوچھ رہی تھیں۔" عمائمہ نے رسان سے بتایا۔
صبح کے بعد دوپہر اور دوپہر کے بعد شام اتر آئی تھی عمائمہ نے اس کے لائے ہوئے کپڑوں میں سے اسکائی بلیو کلر کا سوٹ نکالا جس پر سفید رنگ کا نفیس سا ہلکا پھلکا گلے' بازوؤں اور دوپٹے کے پلوؤں پر پرل کا کام ہوا تھا دل آج شدت سے درید بخت کا منتظر تھا۔
اس نے بے دلی سے وال کلاک کی جانب دیکھا۔ گیارہ بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ ہاتھ بے اختیار اپنے موبائل کی جانب بڑھے۔ مگر جلد ہی مایوسی کے ساتھ تفکر کے اثرات بھی چہرے پر ابھرے درید کا سیل آف تھا۔ انو عشاء کی نماز کی تیاری کر رہی تھیں۔
وہ بے دلی سے بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی گھڑی کی سوئیاں گیارہ سے ساڑھے گیارہ پر آ گئی تھیں۔ ہاتھ ایک بار پھر موبائل کی جانب بڑھا مگر ساتھ ہی سیل بجنے لگی انجان نمبر تھا عمائمہ نے کال ریسیو کی۔
"ہیلو۔"

"عمائمہ بھابی بول رہی ہیں؟" عجلت میں استفسار کیا گیا۔

"جی۔" عمائمہ نے جواب دیا۔

"بھابی میں ارسل بول رہا ہوں درید کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔"

"یہ۔۔۔ یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" اس نے کانپتی آواز میں خود کو سہارا دیا۔

"بھابی میں سچ کہہ رہا ہوں درید اس وقت ہسپتال میں ہے آپ ڈرائیور کے ساتھ فوری آجائیں۔"

دوسری طرف لائن ڈسکنیکٹ ہو چکی تھی۔ اور وہ بے جان انداز میں خالی نظروں سے موبائل کو دیکھ رہی تھی۔

"عمائمہ میری بچی خیر تو ہے کس کا فون تھا؟" انو نے سلام پھیر کر پوچھا۔

"درید کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔" اسے اپنی آواز کسی گہری کھائی سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"یا اللہ خیر۔" انو نے دہل کر سینے پہ ہاتھ رکھا اور روتے ہوئے دعائیں کرنے لگیں۔

"یا اللہ میرے پتر کو زندگی دے، تندرستی دے۔" وہ رو رہی تھیں اور عمائمہ کے اندر جیسے سانسیں ختم ہو گئی تھیں۔

"تم میری جان ہو زندگی ہو میری۔" عمائمہ نے آنکھیں بند کر کے آنسوؤں کو روکا۔

"واپس آکر سارے حساب کتاب برابر کر دوں گا۔" عمائمہ کے دل سے جینے کی امنگ ختم ہونے لگی۔

"واپس آکر بہت اچھی اچھی سی باتیں کروں گا۔" اس کی باتیں عمائمہ کے چاروں اطراف آگ دہکانے لگیں۔ ہر خوشی، ہر رنگ، ہر خوشبو بے معنی ہو کر رہ گئے دل بس اس کی زندگی کی دعا بن رہا تھا اپنا آپ اپنی ہی نظروں میں حقیر اور بے مول سا ہو رہا تھا۔

وہ نڈھال ہو رہی تھی اور اللہ سے اس کی زندگی کی سانسوں کی بھیک مانگ رہی تھی اس شخص کے لیے جس کے مرنے کی وہ دعائیں کیا کرتی تھی۔ آج اسی شخص کی زندگی مانگتے ہوئے اس کے اندر سے زندگی ختم ہو رہی تھی وہ تو صد شکر تھا کہ ڈرائیور آج واپس گاؤں نہیں گیا تھا عمائمہ اور انو عجلت میں ہسپتال پہنچے تو درید کو پرائیویٹ روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔

اسے اچھی خاصی چوٹیں آئی تھیں۔

ارسل انہیں حادثے کی تفصیل بتانے لگا کہ کس طرح ڈبل ون ڈبل ٹو والوں نے درید کے موبائل سے لاسٹ کالر کا نمبر ڈھونڈ کر اس سے رابطہ کیا انو ایک بار پھر رونے لگی تھیں اسی ایکسیڈنٹ نے ان سے ان کا خاوند چھین لیا تھا۔ انہیں شاید وہ وقت بھی یاد آرہا تھا۔

عمائمہ نے ویران نظروں سے ہوش و خرد سے بے گانہ درید بخت کو دیکھا تو دل سے اک ہوک اٹھی ایک تناور درخت کی طرح اس کی جڑیں عمائمہ کے اندر تک اتری ہوئی تھیں اور اسے خبر تک نہ ہوئی کہ وہ اس کے اندر اتنی گہرائی سے اتر چکا ہے؟

دوسرے دن وہ مکمل ہوش و حواس میں تھا پروفیسر صادق اور نسرین بیگم سمیت انہیں حادثے کی تفصیل بتا رہا تھا۔ "اللہ کا لاکھ لاکھ کرم ہے اس نے جانی نقصان سے بچا لیا۔" نسرین بیگم نے کلمہ شکر پڑھا درید کی نظر اداسی کا پیکر بنی عمائمہ کی جانب اٹھیں۔ اس کی متورم آنکھیں اور اس کے چہرے پر اپنے لیے تفکرات دیکھ کر درید کی ساری تکلیفیں جاتی رہیں۔

"درید بیٹا اب تم جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ تم جیسے شیر جوان بیٹے یوں بستر پر اچھے نہیں لگتے۔" پروفیسر صاحب کے متبسم سے انداز پر وہ دھیرے سے [illegible] پروفیسر صادق نے اپنے نحیف ہاتھ سے اس ہاتھ [illegible] سا دباؤ ڈالتے ہوئے شکر ادا کیا۔ ان کے لہجے ان [illegible] انداز میں ایک باپ جیسی شفقت اور نرمی رہی [illegible] تھی وہ شفقت اور وہ نرمی جو درید کو اپنے سگے باپ [illegible] کبھی نہیں ملی تھی۔

"اچھا بیٹا! اب تم آرام کرو کل ملاقات ہو گی۔" نسرین بیگم نے محبت سے اس کے سر پہ ہاتھ [illegible] پروفیسر صاحب بھی اس کے قریب آئے۔

"پاپا تھوڑی دیر رک جائیں ڈرائیور آ جائے [illegible]

چھوڑ آئے گا آپ کو۔" درید نے انہیں روکنا چاہا۔

"نہیں بیٹا اب ہم چلتے ہیں ویسے بھی صفدر باہر بیٹھا ہے۔"

"عمائمہ بیٹا پریشان نہیں ہونا اللہ نے بڑا رحم کیا ہے۔"

صادق صاحب اور نسرین بیگم نے اسے خود سے لپٹا کر تسلی دی تو آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگیں۔ [illegible] پھر سے انجکشن اور میڈیسنز کے زیر اثر [illegible] سی چھانے لگی۔ دیگر چوٹوں کے ساتھ اس کا [illegible] بازو بھی فریکچر ہوا تھا۔

تھوڑی دیر میں ڈرائیور آگیا تھا انو اس کے ساتھ ہی [illegible] گئی تھیں۔ عمائمہ نے سوپ اور دیگر چیزیں کارنر پر [illegible] اور درید کے پاس آگئی رات سے اس نے کچھ [illegible] کھایا تھا۔ ساری رات جاگنے اور فکر مندی سے [illegible] طبیعت میں عجیب نقاہت سی اتر رہی تھی۔

[illegible] عمائمہ سوئے ہوئے درید بخت کے زرد چہرے کو نم آنکھوں سے دیکھتے ہوئے دھیرے سے اس کے بالوں [illegible] ہاتھ پھیرنے لگی درید کی آنکھ کھلی تو عمائمہ کا ہاتھ [illegible] کے ہاتھ پر رکھا تھا اور وہ چیئر اس کے بستر کے [illegible] اس کے بستر پر تقریباً جھکی ہوئی اونگھ رہی [illegible]

[illegible] آیا جب نرس اسے انجکشن لگا کر گئی تھی تو [illegible] تھیں درید نے اردگرد نگاہ دوڑائی عمائمہ [illegible] میں کوئی نہیں تھا درید نے ہولے سے [illegible] پہ ہاتھ رکھا وہ جیسے کچی نیند سے بے دار [illegible]

"[illegible] طبیعت ہے آپ کی؟" لہجے میں بے تحاشا [illegible] پیار و محبت جھلک رہا تھا۔

"[illegible] پتا ہوتا کہ تمہارا یہ روپ مجھے اس [illegible] دیکھنے کو ملے گا تو میں بہت پہلے اپنا [illegible] کا ہو تک۔"

"[illegible] لیا ہے تو جلدی سے ٹھیک ہو جائیں [illegible] مجھے؟"

"[illegible] لیے تو میرے دل میں صرف محبت ہے۔"

اس کی بات پر عمائمہ مسکراتے ہوئے اسے سوپ پلانے لگی۔

"میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ ایک دن تم میرے اتنے قریب بھی آسکو گی۔" درید کے لہجے میں بے یقینی عیاں تھی۔

"بعض اوقات حقیقتیں دیکھے جانے والے خوابوں سے زیادہ خوب صورت ہو جاتی ہیں آپ اسے بھی آپ ایک خوب صورت حقیقت سمجھ سکتے ہیں۔" اس کی شرٹ کے بٹن بند کرنے کے بعد عمائمہ نے دوائی اس کی ہتھیلی پر رکھی۔

"اتنی خوب صورت حقیقت کے سامنے ہوتے ہوئے مجھے کسی میڈیسن کی ضرورت نہیں ہے۔" درید نے اس کی کلائیوں میں سجے کنگن چھیڑے۔

"نہیں یہ بھی ضروری ہے۔" عمائمہ نے پیار سے ڈپٹا۔

درید نے دوائی کھانے کے بعد گلاس اس کی جانب بڑھایا۔

"پتا نہیں مجھ جیسے برے شخص کی تم کیئر کیوں کرنے لگی ہو؟" درید نے نرمی سے پوچھا۔

"پہلے مجھے خود بھی معلوم نہیں تھا لیکن آپ کے ایکسیڈنٹ کی خبر سن کر مجھے یوں لگا جیسے میں خود بھی مٹی کا ایک ڈھیر بن گئی ہوں میں سانس تو لے رہی تھی لیکن میری دھڑکن جیسے تھم گئی ہو میں زندہ تو تھی لیکن میری زندگی میرے وجود کا ساتھ چھوڑ گئی تھی۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ آپ میری زندگی میں ہی نہیں مجھ میں بھی رچ بس چکے ہیں یہ سچ ہے مجھے آپ سے نفرت تھی لیکن وہ نفرت کب مجھ میں محبت بن گئی مجھے خود بھی احساس نہ ہو سکا مگر اب آپ کے بغیر یہ زندگی اور اس کی ہر خوشی ادھوری ہے میرے لیے۔" وہ اس کے ساتھ بیٹھی تھی، اتنے دنوں سے جو سچ اس نے خود سے بھی چھپا رکھا تھا آج اس کے حوالے کرتے ہوئے وہ ایک دم سے ہلکی پھلکی ہو گئی۔ آنسو ٹوٹ کر ہتھیلی پر گر رہے تھے درید نے اس کے گرد بازو پھیلایا۔

"عمائمہ! پتا ہے اک مدت سے میں اپنی ذات کے

صحرا میں بھٹک رہا ہوں تمہاری یہ توجہ' تمہارا یہ پیار میرے اندر کے صحرا کو سیراب کرنے لگا ہے۔ میں بچپن ہی سے Neglected child ہوں میرا باپ سید بخت عالم پہلی مرتبہ قومی اسمبلی کا ممبر بنا تو وہ محض چوبیس سال کا نوجوان تھا جس کی شادی نہایت کم عمری میں برادری کے ایک بڑے جاگیردار کی ان پڑھ بیٹی امیراں بیگم سے ہو گئی تھی جو جہیز میں اپنے باپ کی ایک تہائی جائیداد کے ساتھ غرور اور ہٹ دھرمی بھی لے کر آئی تھی۔

میرے باپ کو اس جاہل دیہاتن میں کبھی کشش نظر نہ آئی شہر کے بہترین تعلیمی اداروں سے تعلیم حاصل کرنے اور عیش پسند طبیعت کی بنا پر قیمتی لباس عمدہ برانڈڈ شراب اور خوب صورت لڑکیاں اس کی دلچسپی کا حصہ بن گئی تھیں۔ جب امیراں بیگم سے دو بیٹوں کے بعد بیٹی پیدا ہوئی تو بیوی سے اکتا کر شہر چلا آیا۔ سیاست میں بخت عالم کا مقام خواہ کتنا ہی اونچا ہو گیا تھا مگر ذاتی طور پر وہ صرف ایک عیاش آدمی تھا۔

ایک سیاسی بندے کی حیثیت سے وہ اکثر و بیشتر سفر میں رہتا انہی دنوں اس کی ملاقات ایک ایئر ہوسٹس سے ہوئی۔ دونوں میں رومانس کا سلسلہ شروع ہو گیا ___ جس کا نتیجہ شادی کی صورت میں امیراں بیگم کے سامنے آیا تو وہ ایک بیٹی کو جنم دے چکی تھی بخت عالم نے امیراں بیگم کے دباؤ میں آکر اسے اپنی زندگی سے تو نکال دیا مگر اپنی فطرت کے تحت بازار حسن کے بالا خانوں کا طواف بھی کرنے لگا۔ اس کے بعد وہ میری ماں زرنگار پر فدا ہوا۔ جس کے نتیجے میں امیراں بیگم اور بخت عالم میں کشیدگی سنگین نوعیت اختیار کر چکی تھی۔

امیراں بیگم نے طلاق کا مطالبہ کر دیا تھا اور میرا باپ اپنی مالدار خاندانی بیوی کو کسی طور پہ طلاق دینا نہ چاہتا تھا ___ امیراں بیگم اپنے بھائیوں کے ساتھ مل کر گاہے بگاہے زرنگار کو دھمکیوں سے ہراساں کرنے کی کوشش کرتی۔ میری حیثیت اس تمام قصے میں گھن کی طرح ہو چکی تھی جو گیہوں کے ساتھ خواہ مخواہ پس رہا تھا اس چوئیشن میں زرنگار نے خود ہی میرے باپ کو چھوڑنے کا ارادہ کر لیا وہ بھی کسی ایک کھونٹے سے زیادہ دیر تک بندھی رہنے کی قائل نہ تھی جاتے جاتے میری ماں مجھے باپ کے در پہ چھوڑ گئی۔ میرا باپ مجھے رکھنا نہیں چاہتا تھا اور میری ماں مجھے اپنے ساتھ لے جانا نہیں چاہتی تھی۔

لہٰذا مجھے ایک آیا کے ساتھ میری جاہل ان پڑھ سوتیلی ماں کی سرپرستی میں دے دیا گیا۔ جو ہر وقت میرے باپ کی ٹوہ اور جاسوسیوں میں لگی رہتی۔

امیراں بیگم بخت عالم کے پے در پے جھٹکوں سے نفسیاتی مریضہ بن گئی تھی۔ اس کا سارا غبار ساری جھنجلاہٹ مجھ پہ نکلتی تھی۔ مجھے بھوک لگتی تو وہ مجھے دودھ کے لیے پہروں رلایا کرتی مجھے روتا ہوا دیکھ کر اسے عجیب سکون ملتا تھا آویز بخت' سکندر بخت اور نیہا بخت (سوتیلے بہن بھائی) کے دلوں میں امیراں بیگم نے ایسی عداوت ڈالی کہ وہ کبھی مجھے اپنا تسلیم نہ کر سکے۔ توجہ' پیار محبت جو میرا بنیادی حق تھا وہ میرے والدین مجھے نہ دے سکے تو اوروں کو کیا ضرورت تھی مجھ سے محبت جتانے کی۔

بچپن میں مجھ سے کوئی نقصان ہو جاتا تو امیراں بیگم مجھے مارتے پیٹتے ہوئے میری ماں کا طعنہ دیتی۔ میرا ننھا سا ذہن ان باتوں' مار پیٹ اور طعنے تشنوں کو سہہ نہ پاتا تو میں انو جان کی گود میں چھپ کر ڈھیروں رویا کرتا تھا۔ بار بار ایک بدکردار ماں کا طعنہ سن سن کر میرے لیے یہ جملہ ایک ایسا تازیانہ بن گیا تھا جس نے میری ہنسی' میرا بچپن' میری سوچوں کو اتنا سنجیدہ بنا دیا کہ میں اپنی بکھری ذات کو خود بھی سوچتے ہوئے اپنی تنہائیوں کی گود میں تھپکیاں دے کر سلانے کی کوشش کرتا رہتا۔ امیراں بیگم جب ڈپریشن کا شکار ہوتی۔ مجھے ذہنی و جسمانی ٹارچر کرتی۔ اس ظلم اور ناانصافی کو بھی میں صبر و ہمت سے سہہ کر دل جمعی سے پڑھائی میں مشغول رہتا اور ہمیشہ بہترین نمبروں سے تعلیمی میدان عبور کرتا رہا۔

✡ ✡ ✡

علیزہ' امیراں بیگم کی لاڈلی بھانجی تھی امیراں بیگم کی

چھوٹی بہن زہرہ بیگم کے بچے اکثر چھٹیوں میں امیراں بیگم کے پاس آکر رہتے تو میری خاموشی اور تنہائی میں پلی ہوئی ذات غیر محفوظ سی ہو جاتی وہ تمام کزنز مل کر میرا خوب تمسخر اڑاتے۔ مجھے بات بات پر ٹیز کرتے اور علیزہ انہیں ایسا کرنے سے ہمیشہ روکا کرتی تھی۔ اسے مجھ سے کیوں ہمدردی محسوس ہوتی تھی؟ یہ میں خود بھی نہیں جانتا تھا اور نہ میں نے کبھی یہ جاننے کی کوشش کی تھی۔ علیزہ فطرتاً" ایک بولڈ اور باتونی سی لڑکی تھی جس کی نسبت آویز بخت سے طے ہو چکی تھی۔ خواہ مخواہ مجھ سے فری ہونے کی کوشش کرتی اور میں بے رخی دکھا کر ان سے جان چھڑا لیا کرتا۔

دسمبر کی چھٹیاں ختم ہونے میں ایک دو دن باقی تھے۔ ہال کمرے میں آتشدان جلائے خوش گپیوں کے ساتھ ڈرائی فروٹ اور سبز چائے سے لطف اندوز ہوتے سب کی موجودگی میں ہمیشہ کی طرح میں نے خود کو تنہا محسوس کیا تو میں چپکے سے اس پر رونق محفل سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا آیا تھوڑی دیر کے بعد دفعتاً" میرے کمرے کا دروازہ ہلکا سا بجا اور علیزہ میرے کمرے میں داخل ہوئی۔ اسے اپنے کمرے میں اچانک رات کے اس پہر دیکھ کر میں فوراً" بستر سے اٹھ بیٹھا۔ وہ میرے سامنے کھڑی تھی اس کی آنکھوں میں کچے خوابوں کی آہٹیں دستک دے رہی تھیں۔

"تم؟ اس وقت یہاں کیوں آئی ہو؟" میرے لہجے کی سختی پر وہ تڑپ کر میرے پاس آگئی ___ "کیا تمہیں نہیں پتا کہ میں تم سے محبت کرنے لگی ہوں۔"

وہ میرے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لیے جذب سے بولی تو میرے ارد گرد جھکڑ سے چلنے لگے۔

"یہ کیا بکواس کر رہی ہو تم؟" میں نے سختی سے اس کے ہاتھ جھٹکے۔

"تم آویز بھائی کی منگیتر ہو لہٰذا براہ مہربانی میرے کمرے سے چلی جاؤ۔" اب کے میں غصے میں دھاڑا۔

"آویز مجھے اچھا نہیں لگتا ہے کیسے تمہیں سمجھاؤں کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں۔" وہ بے باکی سے میرے ہاتھ پکڑے کہہ رہی تھی۔

"لیکن مجھے تم سمیت تمہارے پورے خاندان سے نفرت ہے شدید نفرت۔" میں اپنی نفرت کا اظہار کر رہا تھا۔ میں نے اسے بازو سے پکڑ کر دروازے کی جانب کھینچا۔ تو وہ بے قراری سے رونے لگی۔

"تم کچھ بھی کہو۔ مجھے صرف تم سے شادی کرنی ہے۔"

"اور علیزہ بی بی تم بھی کان کھول کر سن لو۔ ایسا کبھی نہیں ہو گا۔"

"تم صرف میرے ہو درید' صرف میرے۔" اس کی بے باکی پر دوسری دفعہ میرا ہاتھ اٹھا۔

"یہ خوش فہمیاں تم ہمیشہ کے لیے اپنے دل سے نکال دو تم آویز بھائی کی عزت ہو اور اس حوالے سے میرے لیے قابل احترام۔"

"درید تم میرے ساتھ اچھا نہیں کر رہے ہو۔"

"میں تمہارے ساتھ جو کچھ کر رہا ہوں بالکل ٹھیک کر رہا ہوں آئندہ کبھی میرے سامنے مت آنا۔"

"تم نے میری محبت کو ریجیکٹ کیا ہے میں تمہیں خوش نہیں رہنے دوں گی۔" وہ چلائی۔

"آہستہ بولو اور دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" میں نے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھنے کی کوشش کی تو وہ مزید چلانے لگی۔

"میں چلاؤں گی' شور مچاؤں گی تم خود کو سمجھتے کیا ہو؟" اس سے پہلے میرا تھپڑ اس کے چہرے پر رسید ہوتا امیراں بیگم دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئیں چند لمحوں کے لیے ہم دونوں ہی انہیں دیکھ کر ساکت ہوئے اس سے پہلے کہ امیراں بیگم ہم دونوں سے کچھ استفسار کرتیں علیزہ چیختی چلاتی ان سے لپٹ کر رونے لگی۔

"درید نے مجھے اپنے کمرے میں بلا کر مجھ سے زبردستی کرنے کی کوشش کی ہے۔" وہ روتے ہوئے امیراں بیگم کی مشکور ہو رہی تھی جنہوں نے بروقت آ کر اس کی عزت و آبرو بچالی تھی۔ علیزہ کے واویلے سے آہستہ آہستہ تمام لوگ میرے کمرے میں جمع ہونے لگے۔ میری قسموں اور میری یقین دہانیوں کے

باوجود کسی نے میری بات پر اعتبار نہ کیا۔ آویز آپے سے باہر ہو کر مجھ پہ جھپٹ رہا تھا۔ سکندر بڑی مشکلوں سے اسے گھسیٹ کر دوسرے کمرے میں لے گیا تھا میرا باپ مجھے گالیوں کے ساتھ تھپڑوں' ٹھڈوں اور مکوں سے مار پیٹ رہا تھا۔

"بتا کمینے! تجھے حیا نہ آئی کہ یہ لڑکی تیرے بڑے بھائی کی ہونے والی بیوی ہے۔" بخت عالم نے مجھے بالوں سے پکڑ کر میرا چہرہ اونچا کیا میرے ہونٹ پھٹ چکے تھے۔ ہونٹوں سے خون رس کر اب میری ٹھوڑی اور گردن پر پھیل رہا تھا۔

"نہیں میں بھی آپ ہی کا بیٹا ہوں۔ ایک بدکردار باپ کی اولاد کیسے نیک اور پارسا ہو سکتی ہے؟" پتا نہیں میرے اندر اتنی جرأت کہاں سے آگئی تھی۔

"ذلیل انسان زبان چلاتا ہے باپ کے سامنے۔" بخت عالم مزید طیش میں آکر مجھے پیٹنے لگا۔

"ہاں چلاؤں گا میں زبان' کرلیں آپ نے جو کرنا ہے آپ نے ان سترہ اٹھارہ سالوں میں مجھے دیا ہی کیا ہے۔ سوائے اپنی گندی شہرت کے؟" میری برداشت جواب دے چکی تھی۔ بخت عالم نے مجھے گریبان سے پکڑ کر گھسیٹا۔

"تم ٹھیک کہتی ہو امیراں بیگم! میں خوامخواہ اتنے سال اس سانپ کو دودھ پلا کر جوان کرتا رہا اور آج اس نے اپنے ہی گھر کی عزت کو ڈسنے کی کوشش کی نکل جاؤ اس حویلی سے ابھی اور اسی وقت عاق کرتا ہوں میں تمہیں اپنی زمین و جائیداد سے آئندہ کبھی مجھے اپنی یہ منحوس شکل مت دکھانا ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا جیسی ذلیل ماں ویسا ذلیل بیٹا۔"

دسمبر کی کہر آلود ٹھنڈ جب سردی اپنے غضب ڈھا رہی تھی میرے باپ نے مجھے رات ساڑھے گیارہ بجے حویلی سے بے دخل ہونے کا سندیسہ سنایا۔ میرا پورا بدن زخموں سے چور تھا میں گرتا پڑتا وہاں سے نکل آیا۔ باہر ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ سنسناتی برفیلی ہوا میرے جسم کے آر پار ہونے لگی۔ میرے جسم پر کوئی سویٹر کوئی گرم چادر نہ تھی میں روتا بلکتا اپنے آنسو پونچھتا حویلی کا گیٹ عبور کرنے لگا تو حویلی کا پرانا اور وفادار چوکیدار — میری حالت دیکھ کر مجھے اپنے کوارٹر میں لے گیا۔

مجھے عورت ذات سے شدید نفرت ہو گئی تھی۔ مجھے پیدا کر کے چھوڑ جانے والی عورت غلط تھی۔ پالنے والی غلط عورت' میرے ساتھ پل کر جوان ہونے والی (بہن) عورت غلط مجھ پر الزام لگانے والی عورت غلط تھی میں نے اس رات قسم اٹھائی تھی کہ اب میں دنیا کی ہر عورت کی تضحیک کروں گا کیونکہ اس عورت نام کی شے نے منٹوں میں میری شرافت کا جنازہ نکال کر مجھے کہیں کا نہ چھوڑا تھا۔

صبح سویرے جب پو کی لالی پھوٹی تو کمدار مجھے لے کر شہداد نگر روانہ ہو گیا چند گھنٹوں میں میں انو کے پاس موجود تھا انہوں نے میری حالت دیکھی تو خوب روئیں میرے زخموں پر مرہم لگاتی جاتیں اور روتے ہوئے مجھے چومتی جاتی تھیں۔

ساری رات اپنی قسمت کو رونے کے بعد میرے آنسو تھم چکے تھے برف بن چکے تھے۔ جیسے طوفانی بارش میں اچانک ہی دھوپ نکل آئے۔

سترہ اٹھارہ سال کا وہ درید بخت رات کی تاریکی میں کہیں گم ہو چکا تھا۔ اب ایک نڈر اور بے باک درید بخت چپ چاپ ان کے سامنے کھڑا تھا جس کے اندر انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ انو نے مجھے اپنا بیٹا بنا لیا۔ وہ مجھے سمجھا' بجھا رہی تھیں اور میں خاموش لبوں سے ان کی باتوں' نصیحتوں کو سن رہا تھا مگر میرے اندر بغاوت اور نفرت کی آگ دہک رہی تھی۔

میں چند دن انو کے پاس شہداد نگر رہا پھر ارسل نے مجھے فون پر کلاسز اسٹارٹ ہونے کی اطلاع دی۔ ارسل 5th سے میرے ساتھ تھا وہ ایک — مل اونر کا بیٹا تھا اس کی ماں اس کے بچپن ہی میں وفات پا گئی تھی۔ باپ نے دوسری شادی کر لی۔ مجھ میں اور ارسل میں یہ فرق تھا کہ وہ کسی ناانصافی کا شکار ہونے کی بجائے اپنا حصہ چھین کر وصول کر لیا کرتا۔ واپس لاہور جانے کے بعد میں سب سے پہلے اسی سے ملا تھا اور وہ مجھے اپنے

ساتھ اپنے فلیٹ میں لے گیا میں نے تمام قصہ اس کے گوش گزار دیا۔ تو وہ مجھے بھی زندگی کا وہی ــــ درس دینے لگا۔ مگر میرے اندر کا کرب' میرے اندر کی آگ ٹھنڈی نہ ہو رہی تھی۔

" لے میری جان یہ پی اور سکون پا تیری ہر بے چینی کو اپنی گود میں لے کر ایک میٹھی نیند سلا دے گی تجھے۔"

میں چند لمحے اس کے ہاتھ میں پکڑے گلاس کو تکتا رہا پھر بلا آخر میرے ہاتھ گلاس کی جانب بڑھا تھا۔ ایک گھونٹ بھرنے کے بعد ہی میں نے گلاس فوراً" لبوں سے ہٹا لیا۔

"میری زندگی کی طرح انتہائی بکواس چیز ہے یہ۔" میں نے بے دلی سے گلاس واپس ارسل کی جانب بڑھایا تو وہ میرے شانے پہ بازو پھیلاتے ہوئے ہنسا۔

"اس سے دوستی کرنی پڑتی ہے میری جان! یہ زندگی کی طرح سہی۔ مگر یہ زندگی کی طرح تجھے مایوس نہیں کرے گی بس ایک بار اسے پیار سے پی پھر دیکھ کیسا سرور' کیسا غم غلط کرتی ہے یہ تیرا۔" اس کے اصرار پر میں نے ایک ہی سانس میں پورا گلاس چڑھا لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے میں نے بوتل آدھی کر دی۔ رفتہ رفتہ میرے حواس گم ہونے لگے۔ میرے سر سے غصے نفرت اور انتقام کا بوجھ اترنے لگا۔

ایک مدہوشی' ایک لذت اور ایک سرور سا میرے حواسوں پر چھانے لگا اور میں بکنا جھکنا۔ اپنی زندگی کو جہنم بنانے والی عورتوں کو گالیاں دیتا وہیں ارسل کے پاس ڈھیر ہو گیا۔

پھر میں ارسل کے رنگ میں رنگتا چلا گیا۔ میں G.C میں تھرڈ ایئر کا اسٹوڈنٹ تھا جب پہلی بار میں ایک لڑکی کو لے کر ڈیٹ پر گیا۔ جب میں نشے میں دھت ہوا تو وہ لڑکی مجھے علیزہ لگنے لگی۔ رفتہ رفتہ یہ انتقام میری زندگی کا حصہ بننے لگا۔ انو نے اپنی تمام زمین و جائیداد میرے نام کر دی تھی ہاسٹل میں رہنے کی بجائے انو نے گلبرگ والا گھر میرے لیے سیٹ کروا دیا تھا۔ نوکر چاکروں کے ساتھ مجھے ایک خانساماں بھی رکھوا دیا گیا ان کے لیے میں اب بھی ایک معصوم اور بے ضرر سا نوجوان تھا جسے زندگی نے بڑی بے رحمی کے ساتھ تلخیوں سے بھر دیا تھا۔ وہ اپنے پیار و محبت کے ساتھ مجھے زندگی کی تمام سہولیات فراہم کر کے میرے اندر کی تلخی کو دور کرنے کی کوشش کرتی رہتیں اور میں ان کی ہر کوشش کو غیر محسوس طریقے سے غلط انداز سے استعمال کرنے کا عادی ہوتا چلا گیا۔

یہی نہیں "کالج میں غنڈہ گردی کرنا' اساتذہ سے بدتمیزی اور ان کے وقار کی دھجیاں اڑانا بھی میری ہابیز میں شامل ہو گیا تھا۔

زندگی کی کوئی بھی چیز میرے لیے اب سنجیدہ نہ رہی تھی میرا کردار "کس رنگ میں ڈھل رہا تھا۔ میں گندگی کی دلدل میں کیوں پاؤں دھر رہا تھا۔ اساتذہ میرے بارے میں کیا اور کتنی غلط رائے رکھتے تھے؟ مجھے ان تمام باتوں سے اب کوئی سروکار نہیں رہا تھا۔ جیسے ایک برائی ختم نہ کی جائے تو طبیعت دوسری برائی پر آمادہ ہونے لگتی ہے پھر تیسری اور پھر برائی' برائی ہی نہیں لگتی اسے انجوائے منٹ کا نام دے دیا جاتا ہے۔

میں نے بھی دنیا کو اپنے پیروں تلے روند کر گزرنا سیکھ لیا تھا عورت کی قیمت لگا کر اسے ٹشو پیپر کی طرح استعمال کر کے پھینکنا سیکھ لیا تھا۔ گزری باتوں کو گزرے وقت کے ساتھ بھولنا سیکھ لیا تھا۔

لیکن ایک دن۔

مدت بعد ایک شخص نے میری ذات کے اوراق چند لمحوں کے لیے پھر سے پلٹ ڈالے' چند لمحوں کے لیے! میں پھر سے وہیں آ کھڑا ہوا تھا جہاں سے میں نے اپنی رنگین زندگی کا آغاز کیا تھا۔

تمام اساتذہ بیڈ ریپوٹیشن سے بخوبی واقف تھے۔ میں کلاس میں لیکچر کے دوران گاہے بگاہے انہیں زچ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا۔ جس کی وجہ سے مجھے کلاس سے نکال دیا جاتا' لیکن پروفیسر صادق سعید میری بدتمیزیوں کے باوجود بھی مجھے کلاس سے بے دخل نہ کرتے۔ بلکہ میری بے ہودہ حرکتوں' میری فضول گفتگو' میرے تمسخرانہ انداز کو بڑی نرمی

سے نظر انداز کر دیا کرتے۔

ایک دن میں ان کی برداشت کی حد ناپنے کا مکمل تہیہ کر کے پورے دس منٹ بعد وسلنگ کرتے ہوئے کلاس میں بلا اجازت داخل ہوا۔ انہوں نے چند لمحوں کے لیے لیکچر روکا اور میرے بیٹھنے کا انتظار کیا۔ میرے بیٹھنے کے بعد وہ پھر سے لیکچر دینے میں مشغول ہوئے تو میں گاہے بگاہے بیچ میں کوئی نہ کوئی جوک سنا کر پوری کلاس کو ہنسنے پر مجبور کر دیتا اور وہ کمال برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو جاتے۔

کلاس ختم ہونے میں دس پندرہ منٹ باقی تھے اب کے میں نے اپنے گروپ کے دیگر لڑکوں کو اپنے ساتھ ملا کر بلند آواز میں گنگنانا شروع کر دیا۔

اب پڑھا نہ جائے

یا خدا اب پڑھا نہ جائے

پروفیسر صادق سعید نے خاموشی سے ڈائس پر سے اپنی چیزیں اٹھائیں۔ چشمہ اتار کر اپنی جیب میں رکھا اور کلاس سے باہر نکلتے ہوئے میرے قریب رک کر دھیرے سے افسوس بھرے لہجے میں بولے۔ "ایک سچا دوست آپ کی آنکھوں میں درد دیکھتا ہے جبکہ دوسرے یہ کہہ رہے ہوتے ہیں کہ آپ مسکرا رہے ہیں بظاہر ایسا ہے مگر جو سچا ہوتا ہے وہ آپ کو نہیں دیکھ سکتا درد اور تکلیف میں۔"

ان کے قابل رحم انداز نے میری بولتی بند کر دی۔ میری ہنسی' میرا تمسخر یکدم غائب ہو گیا۔ پروفیسر صادق سعید مجھ پر ترس کھا کر جا چکے تھے اور میں وہیں کھڑا اپنے اندر اترنے والے طوفان کی زد سے خود کو بچانے لگا۔ پتا نہیں میری نظروں سے انہوں نے میرے اندر کے دکھ کا کیسے اندازہ لگا لیا تھا؟ پتا نہیں انہیں یہ کیسے اندازہ ہو گیا تھا کہ مجھے ہنستے ہوئے دیکھنے والوں کی کمی نہ تھی لیکن مجھے روتا ہوا دیکھنے والا کوئی نہ تھا؟ ان کے انکشاف نے چند لمحوں میں مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔

وہ تھے بھی تو سب سے مختلف' سب سے جدا اور سب سے الگ پتا نہیں کیسے ایک جادوگر کی طرح انہوں نے میرے دل کا حال پڑھ کر سنا دیا تھا؟

بہرحال اس کے بعد بھی مجھے پروفیسر صادق سعید کے ساتھ بدتمیزی کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ بلکہ حیرت انگیز طور پر میں ان کا از حد عزت و احترام کرنے لگا۔

محض ان کی شخصیت کا متاثر کن انداز مجھے خاموشی سے ان کا لیکچر سننے پر مجبور کر دیتا۔ جب وہ بولتے تو ایک سحر سا طاری ہو جاتا میں اکثر لیکچر کے بعد اپنے ذہن کی الجھنوں کو سوال کا روپ دے کر ان سے کچھ دریافت کرتا تو وہ نرمی اور محبت سے اس طرح مطمئن کرنے کی کوشش کرتے جیسے اللہ نے ان کے لیے سب کچھ آسان کر دیا ہو۔

تعلیم مکمل کر کے میں نے امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس بھی شروع کر دیا تھا جس سے خاطر خواہ آمدنی ہونے لگی تھی۔

ایک پرانے دوست کے توسط سے مجھے پروفیسر صاحب کے بارے میں پتا چلا کہ انہیں کینسر جیسے مرض کی وجہ سے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لینی پڑ گئی تھی تو مجھے یہ سب سن کر از حد دکھ ہوا۔

کالج کے اسی دوست سے میں نے پروفیسر صاحب کا ایڈریس لیا وہ بھی مجھے اچانک دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے پھر میں اکثر ان کے پاس جانے لگا۔ جب میں لاہور ہوتا ان سے ملنے ضرور جاتا۔

ان کا کوئی بیٹا نہ تھا انہیں ہاسپٹل آنے جانے میں مسئلہ درپیش ہوتا تو میں اکثر انہیں اپنی گاڑی میں بٹھا کر انہیں چیک اپ کے لیے لے جایا کرتا۔

پروفیسر صاحب کے ساتھ چند لمحے گزار کر مجھے عجیب روحانی خوشی نصیب ہوتی۔ ان کے گھر کے چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر چائے پیتے ہوئے عجیب طور پر سکون کی دولت میرے اندر اترنے لگتی۔ میں کہیں بھی ہوتا۔ لاہور آتے ہی ایک عجیب کشش مجھے پروفیسر صاحب کے گھر کی جانب کھینچتی۔

تم سے میری ملاقات یوں ہوئی کہ ایک دن میں نے ایک سپلائر خاتون سے ایک لڑکی کی ڈیمانڈ کی وہ عورت

ایجوکیشنل اکیڈمی کے قریب ہی گرلز ہاسٹل کی آڑ میں دھندہ کرتی تھی۔ اس عورت نے مجھے فون پر لڑکی کے متعلق بتایا کہ وہ لڑکی مجھے ایک عام سے حلیے میں ایک بڑی سی چادر میں لپٹی اس گلی میں ملے گی جہاں سے میں اسے پک کرلوں گا۔

اس دن گاڑی میرا خاص ملازم شوکت حسین ڈرائیو کررہا تھا میں چونکہ نشے میں تھا۔ اس لیے غلط فہمی کی بنا پر تمہیں وہ لڑکی سمجھ کر زبردستی اپنی گاڑی میں بٹھانے کی ضد کرنے لگا لیکن تمہارا تھپڑ اور تمہارے الفاظ میرے نشے کو لمحوں میں ہرن کر گئے۔

حقیقتاً" مجھے تمہاری جرأت نے متاثر کیا تھا۔

دوسرے دن اسی جگہ پر مکمل ہوش و حواس میں میں نے تمہارا انتظار کیا۔ لیکن دوسری ملاقات میں بھی تمہاری حقارت تمہارا لٹھ مار انداز دیکھ کر میرے دل میں تمہارے لیے ایک عجیب سی کشش محسوس ہونے لگی۔ میں نے بھی ہار نہ مانی اور تیسری بار تمہیں اپنے ساتھ ڈنر کے بدلے میں ایک بلینک چیک کی آفر کرڈالی بدلے میں تمہاری وہی حقارت اور صلواتوں نے مجھے حیران ہونے پر مجبور کردیا اور یوں تم میرے لیے ایک چیلنج بن گئیں تمہاری جرأت، تمہارے کردار کی مضبوطی، تمہارا چٹان جیسا مضبوط کردار، تمہارا اٹل ارادہ میرے اندر کے مرد کو ہلا کر رکھ گیا۔

میں آج تک جتنی لڑکیوں سے ملا تھا مجھے یہ کوالٹیز کسی لڑکی میں نظر نہ آئیں تم میرے لیے نشے اور مدہوشی سے بھری ہوئی بوتل سے کہیں زیادہ نشہ آور چیز ثابت ہوئیں جسے پینا تو دور کی بات جسے دیکھ کر ہی ایک سرور اور فرحت بخش احساس مجھے اپنی لپیٹ میں لینے لگتا میں کسی بھی قیمت پر تمہیں محض ایک رات کے لیے حاصل کرنا چاہتا تھا جو لڑکی دور سے مجھے اتنا مدہوش کررہی تھی میں اسے قریب سے دیکھ کر محسوس کرکے سرور حاصل کرنے کا لطف اٹھانا چاہتا تھا۔ تم وہ واحد لڑکی تھیں جو ایک بار نہیں دوبار تین بار میری حیثیت' میری پرسنالٹی میرے اسٹیٹس کو منٹ میں ٹھکرا کر میری مردانہ انا پر تھوک گئی تھیں۔

مجھے اس سے کوئی غرض نہ تھی کہ تم کہاں رہتی ہو۔ کس کی اولاد ہو۔ میں صرف تنہائی میں تمہاری بے بسی کی انتہا دیکھنا چاہتا تھا۔ میری یہ خواہش اتنی منہ زور ہو گئی تھی کہ پورے دس دن میں نے صرف تمہیں سوچا صرف تمہیں۔ ارسل نے میری بے دلی کی وجہ پوچھی تو میں نے مختصراً اسے تمہارے متعلق بتایا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ جب تم سے میرا پہلی بار سامنا ہوا تھا تو میرے ساتھ کون تھا میں نے شوکت کا نام لیا اور اس کے بعد مجھے کچھ پتا نہیں کہ اس نے کیسے اور کب تمہارا سوراغ لگا کر شادی سے چند دن پہلے محض میری خوشی کی خاطر تمہیں کڈنیپ کرواکر میرے فارم ہاؤس پہنچا دیا۔

اور جب مجھے یہ پتا چلا کہ تم پروفیسر صاحب کی بیٹی ہو تو احساس ندامت سے میں سر اٹھانے کے قابل نہ رہا جب تمہاری شادی اس بدنامی کے بدلے میں ٹوٹی تو ایک بے چینی ہمہ وقت مجھے بے چین رکھنے لگی۔ آنکھیں بند کرتا تو تمہارا چہرہ میری نظروں میں گھوم جاتا۔ آنکھیں کھولتا تو پروفیسر صاحب کا جھکا ہوا سر مجھے ندامتوں میں دھکیل دیتا پھر میں نے تم سے شادی کا فیصلہ کرلیا اور وہ فیصلہ جلد ہی پایہ تکمیل تک بھی پہنچ گیا شادی کے بعد مجھ سے تمہاری نفرت اور حقارت کی جنگ شروع ہو گئی۔

پہلے تو میں صرف تمہاری کردار کی مضبوطی سے متاثر تھا رفتہ رفتہ تمہاری محبت میں بھی مبتلا ہونے لگا اس محبت کے ہاتھوں جب بھی میں تمہارے قریب آنے کی کوشش کرتا مجھے تم مختلف قسم کے القابات سے نواز کر دھتکار دیتیں۔۔۔ تمہارا گریز پہلے دن کی طرح ایک نشے کی صورت میری رگوں میں اترنے لگا۔ ارسل مجھے پینے کی آفر کرتا تو میرا گلاس کی طرف بڑھتا ہوا ہاتھ تمہارا خیال آتے ہی رک جاتا۔

میرے دل کی حالت بدلنے لگی۔ میں جو اک مدت سے خود سے بھاگ رہا تھا تمہارے سامنے اب جھکنے لگا۔ مجھے نہ پینے سے دلچسپی رہی نہ عورتوں سے۔

میری ذات صرف اور صرف تمہاری محبت پانے

کے لیے دست سوالی بن گئی میں نے تمہیں ہر طرح سے رام کرنے کی کوشش کی لیکن تمہاری نفرت کے آگے میری محبت بے بسی کی سولی چڑھ کر خاموش ہو گئی۔

درحقیقت میری مردانہ انا کو زبردست ٹھیس پہنچی تھی۔

پھر میں نے بھی تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دیا۔ اس کے بعد نہ جانے تمہیں کیا ہوا کہ تم میرا خیال رکھنے لگیں اور میں تمہاری ہمدردیوں پر حیران ہونے لگا۔ بالآخر مجھے اندازہ ہو گیا کہ تم مجھ سے کمپرومائز کر رہی ہو۔

میں نے دل میں عہد کرلیا کہ تمہارے منہ سے اپنے لیے اظہار محبت سن کر ہی رہوں گا۔

اب ہمارے درمیان ایک چوہے بلی جیسا کھیل شروع ہو گیا تم میرا جتنا خیال رکھتیں میں تمہیں اتنا ہی مایوس کردیتا رفتہ رفتہ تمہارے چہرے پر ہمہ وقت رہنے والے غصے اور جھنجلاہٹ کی بجائے ایک یاسیت ایک کرب نے جگہ لے لی۔ تمہیں اداس دیکھ کر میرا دل کٹ کے رہ جاتا لیکن میرے اندر کا انا پرست مرد میری مجبور محبت کو سمجھا بجھا کر مجھے آنے والے حسین لمحوں کی آمد آس دلا کر کٹھور بن جاتا۔

انہی دنوں اچانک گاؤں سے انو جان کے آنے پر ہمیں ایک ہی کمرے کے ایک ہی بستر پر رات گزارنی پڑی اور اس رات میں اپنے جذبات کے آگے مکمل بے بس ہو بیٹھا۔ صبح میں تمہارا رد عمل دیکھنا چاہتا تھا تمہارے چہرے پر عجب خمار تھا۔ میں نے تم سے اس سلسلے میں بات کرنی چاہی تو تم نے دھیرے سے میری بات کو ٹال دیا۔ آناً" فاناً" میں نے فیصلہ کیا کہ تم سے کچھ دن دور رہ کر دیکھوں۔۔۔ میں شاید تمہاری محبت کے ساتھ ساتھ اپنی محبت کی گہرائی کو بھی ناپنا چاہتا تھا۔ لہٰذا انو اور تم سے جھوٹ بولا کہ میں ایک ضروری کام سے اسلام آباد جارہا ہوں۔

میرے اچانک اطلاع دینے پر تمہارا جو رد عمل میرے سامنے آیا۔ وہ میرے اندر کے صحرا پر ٹھنڈی پھوار برسانے لگا۔ معاً میرا جی چاہا کہ کہیں مت جاؤں گھر میں جو پانا چاہتا تھا اس کے لیے مجھے کچھ کھو کر ہی پانا تھا۔۔۔ لہٰذا میں انو اور تم سے جھوٹ بول کر اسلام آباد کی بجائے فارم ہاؤس روانہ ہو گیا۔ وہاں تین چار دن میں نے ایک ایک پل گن گن کر گزارے۔ تمہاری محبت نے مجھے ایک بند گلی میں لا کھڑا کیا تھا۔ تم میرے اندر اس حد تک بسی ہوئی تھیں کہ ایک پل کے لیے بھی میرا خیال تم سے اوجھل نہ ہو پاتا۔ حسب وعدہ میں اپنے جھوٹ کے مطابق اسلام آباد (درحقیقت فارم ہاؤس) سے گلبرگ کی طرف روانہ ہوا تو تمہیں سوچتے سوچتے بن پیے ہی مجھ پہ ایک مدہوشی سی چھانے لگی۔ خوش گمانیاں میری کربناک اور تاریک سوچوں کو ایک نئے جہان میں لے جانے لگیں جہاں زندگی کی کوئی بدصورتی نہ تھی۔ جہاں کوئی امیراں بیگم' علیزہ اور سید بخت عالم نہ تھا۔ میں تمام راستے اپنی باقی کی زندگی کو تمہارے سنگ ترتیب دیتا رہا۔ کہ اچانک دو لڑکے تیزی سے مجھے اوورٹیک کرتے ہوئے ون ویلنگ کرنے لگے میرے لیے یہ سب اتنا غیر متوقع تھا کہ گاڑی مجھ سے بے قابو ہو کر فٹ پاتھ پہ چڑھ گئی۔

میرا سینہ بری طرح سے اسٹیئرنگ سے ٹکرایا۔ چند لمحوں میں میری کھلی آنکھوں سے دیکھے جانے والے خوابوں کے گرد موت ناچنے لگی۔ میرے تاریکی میں ڈوبتے دل و دماغ نے بے بسی سے پہلی بار اللہ سے زندگی مانگی بدلے میں میرے تمام گناہوں کی فہرست مجھے نظر آنے لگی۔ میں جو فاسٹ ڈرائیونگ سے جلد از جلد اپنے اور تمہارے بیچ کی دوریوں کو مٹا دینا چاہتا تھا دائمی جدائی میری کیفیت پر ہنستی ہوئی تمہارا ہاتھ تھام کر دور جا رہی تھی میرے اندر زندگی سسکنے لگی۔ کئی گھنٹے موت میری گزشتہ زندگی کا احتساب کرتی رہی پھر بالآخر مجھے ایک اور موقع دے کر دوبارہ زندگی کی ساعتیں بخشی گئیں۔ ایک بار پھر مجھے میری زندگی کو آزمانے کے لیے موت کی وادی سے مجھے آزاد کردیا گیا۔

ایک بار پھر مجھے جہنم سے نکال کر زندگی کی شادابیوں کی طرف چلنے کا اشارہ دیا گیا۔ جہاں تم ہاتھ پھیلائے ایک اونچے مینار پر استادہ تھیں۔

میرا ذہن آہستہ آہستہ بے دار ہونے لگا اور جب میری آنکھیں کھلیں تو تمہیں اپنے قریب روتا ہوا پایا تمہیں دیکھتے ہی میری زندگی نے یہ عہد کرلیا کہ باقی کی تمام عمر میں تمہارے ساتھ اس دنیا جیسی مختصر قیام کی جگہ کو اللہ کے احکامات کے مطابق گزاروں گا تاکہ آنے والا کل ایک دوسرے دریدہ بخت کو جنم نہ دے۔

عمائمہ میں نے اپنی ذات کے صحراؤں میں بہت لمبی مسافت طے کی ہے۔ میں اک مدت سے خود کو ڈھونڈ رہا ہوں۔ اک عرصے سے خود سے بھاگ رہا ہوں۔ اب اور بھاگا نہیں جاتا۔ مجھ سے میں اس اذیت بھرے سفر میں بھاگ بھاگ کر تھک گیا ہوں مجھے تمہاری محبت کی چھاؤں چاہیے ہم دونوں وفاداری خلوص اور چاہتوں کی اس چھت میں اپنے بچوں کو کسی قسم کی کمی یا محرومی کا شکار نہیں ہونے دیں گے۔

بولو دو گی نا میرا ساتھ؟" وہ لمبا چوڑا مرد آنسوؤں سمیت امید و آس بھرے لہجے میں حیرت کا بت بنی عمائمہ سے پوچھ رہا تھا۔

عمائمہ نے اپنے دوپٹے کے پلو میں اس کی آنکھوں کی نمی جذب کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلا کر اپنا سر اس کے سینے پر ٹکا دیا۔

عمائمہ کی آنکھوں سے اترنے والے آنسو..... درید کی شرٹ میں جذب ہو رہے تھے اور درید کی آنکھوں سے ٹوٹنے والے آنسو عمائمہ کے بالوں میں گم ہو رہے تھے دونوں نے چاہتوں کے سمندر میں خود کو بہنے سے روکا بھی نہیں تھا کیونکہ آنے والا وقت ایک خوب صورت منزل کے روپ میں ان کا منتظر تھا۔

☼ ☼ ☼

گاڑی بورچ میں رکی تو وہ چند لمحے یونہی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا رہا بزنس کے سلسلے میں ایک ہفتہ دبئی گزارنے کے بعد گھر کی دہلیز پار کرتے ہی اسے ایک اطمینان بخش سا احساس اپنے گھیرے میں لے گیا درید کی نظر اپنے قریب رکھے سفید گلابوں کے بوکے کی جانب اٹھی تو ایک دھیمی سی مسکراہٹ ایک سکون بخش احساس میں ڈھلتی اسے اپنے حصار میں لے گئی۔

دریدبوکے اٹھا کر گاڑی سے باہر نکلا اور ڈرائیور کو سامان نکالنے کی ہدایات دے کر اندر چلا آیا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اس وقت بیڈ روم کی بجائے کچن میں ہو گی۔ کیونکہ رحمان بابا آج کل چھٹی پر گئے ہوئے تھے۔

دریدبے آواز قدموں سے کچن میں چلا آیا۔ لبوں پر گہری سی مسکراہٹ لیے وہ یونہی بے آواز چلتا ہوا اس کے عقب میں آ کھڑا ہوا۔ اس کے ایک ہاتھ میں بوکے تھا۔ دریدنے آہستگی سے اپنے دونوں بازوؤں کو پھیلا کر اسے اپنے حصار میں لیا اور اپنی ٹھوڑی اس کے شانے پہ ٹکا دی۔

"ٹور کیسا رہا؟" ایک دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ عمائمہ نے استفسار کیا۔

"تمہارے بغیر بالکل بھی مزا نہیں آیا۔"

مخمور سے لہجے میں سرگوشی کرتے ہوئے دریدکے ہونٹوں نے اس کے گلابی رخسار پہ محبت کا اظہار ثبت کیا تو وہ اس کے حصار میں کسمسائی۔

"آپ بھی نا کہیں دو تین دن رہ آئیں تو ایسے ہی بی ہیو کرتے ہیں۔" عمائمہ کی مصنوعی خفگی پر وہ بے ساختہ مسکرایا۔

"تم نے یہ پھول تو دیکھے ہی نہیں کیسے لگے؟"

عمائمہ نے اس کے ہاتھ میں پکڑے بوکے کو اپنے چہرے کے قریب لا کر ان پھولوں کی خوشبو کو محسوس کیا۔

"آپ کی محبت کی خوشبو زیادہ ہے ان پھولوں میں۔"

"صرف پھولوں میں؟ ناٹ فیئر یار۔" دریدنے محبت بھرا شکوہ کیا۔

"بس اب نکل آئیں اپنے اس لولینڈ سے باہر"

"قریب آپ ایک بے بی کے بابا بننے والے ہیں۔" عمائمہ کے دھیمے سے لہجے میں کیے انکشاف پر دریدخوشی سے ساکت رہ گیا۔

"یہ' یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟" دریدنے عجلت سے اس کا رخ اپنی جانب موڑا تو عمائمہ کے لبوں پہ ٹھہری دھیمی سی مسکراہٹ اور جھکی ہوئی پلکیں اس کی یقینی کو یقین میں بدل گئیں۔

"یہ نیوز تم نے مجھے فون پہ کیوں نہیں سنائی....؟" دریدنے اس کی ستواں ناک میں چمکتی ننھی سی لونگ کو چھوا۔

"اگر بتا دیتی تو" آپ کی یہ خوشی مجھے تھوڑی دیکھنے کو ملتی۔" اس نے نرم لہجے میں کہا اور دریدکا کوٹ اتار کر ہینگ کرنے لگی۔

"میری سب سے بڑی خوشی تو تم ہو جس نے میری بے ترتیب زندگی کو ترتیب میں ڈھال کر مجھے' میرے گھر کو مہکا دیا ہے۔"

دریدنے اس کے بالوں سے کیچر نکالتے ہوئے اپنے لمس کو اس کے کانوں میں انڈیلا۔

"اور میری ساری خوشیاں آپ کے اس پیار سے وابستہ ہیں۔" عمائمہ نے مسکراتے ہوئے اس کے بال بکھیرے۔

مجھے نہیں پتا تھا کہ اللہ مجھے تنہائیوں کی طویل سزا کے بعد تم جیسی اتنی اچھی بیوی دے گا۔" وہ دل سے مشکور ہوا۔

"اب اگر مل ہی گئی ہے تو اللہ کے حضور سجدۂ شکر بھی ادا کرلیں مغرب کا وقت نکلا جا رہا ہے۔" عمائمہ نے یاد دلایا۔

"آپ چینج کر کے جلدی سے نماز پڑھ کر فارغ ہو جائیں آج ہمیں امی اور بابا کے پاس بھی جانا ہے۔" عمائمہ اسے اطلاع دینے کے بعد وارڈ روب سے اس کے لیے سوٹ نکالنے لگی۔

"اوکے۔" دریدنے واش روم کی طرف رخ کیا۔ تو عمائمہ بھی ہنستی ہوئی امی کے گھر جانے کے لیے اپنے کپڑے نکالتے ہوئے سوچنے لگی۔

"جس عورت کو مرد کی محبت نہ ملے تو وہ عورت بھربھری مٹی کا ڈھیر بن کر رہ جاتی ہے۔ اللہ نے عورت کو محبت کی مٹی سے گوندھ کر بنایا ہے ہر روپ ہر رشتے میں محبت اس کے اندر مجبوری بن کر سانس لیتی ہے۔ نہ وہ اپنے خمیر میں گندھی محبت کو بھلا سکتی ہے نہ اپنے اندر سانس لیتے رشتوں کی محبت خود سے دور کر سکتی ہے۔ دونوں صورتوں میں عورت کے لیے ہمیشہ کے لیے بے کلی رکھ دی گئی ہے۔ وہ بے کلی جو ہر عورت کی زندگی ہے اس کی ہر خوشی ہے وہ خوشی جس کے بغیر اس کی اپنی ہی ذات ادھوری ہے۔" آج اسے اپنے سوال کا جواب مل گیا تھا۔ "محبت فطرت بن کر عورت کے وجود کو اگر مہکاتی ہے تو مجبوری بن کر اس کی سانسوں میں سانس بھی لیتی ہے۔"

اور اس کے ساتھ تو مجبوری اور فطرت کے علاوہ دریدبخت کی بے پایاں چاہتیں بھی تھیں۔ وہ چاہتیں جو قیمتی سرمایہ بن کر زندگی کو مہکاتی ہیں۔ وہ چاہتیں جو دکھوں میں سایہ بن کر حوصلہ بڑھاتی ہیں۔ وہ چاہتیں جو مایوسی میں روشنی کی کرن بن کر راستہ دکھاتی ہیں۔

☼ ☼